جلد۲ شمارہ ۳
جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲

چیلنج

ایڈیٹر: عذرا طلعت سعید

زر کی تلاش میں ...... استحصال کی راہیں مزید ہموار

ماحولیات میں بگاڑ ایک عالمی بحران کی شکل اختیار کر چکا ہے۔اس بگاڑ کے پیچھے جدید پیداواری نظام میں چھپی ہوئی تیز رفتاری ہے جس کا تعلق زیادہ سے زیادہ زر جمع کرنے سے ہے۔اصل میں جدید پیداواری نظام کئی مسائل کا باعث ہے۔اگر پیداوار انسانی خدمت اور وسائل کے پائیدار استعمال کی بنیاد پر ہوتی تو یہ مسائل جنم نہیں لیتے۔لیکن سرمایہ دارانہ نظام زیادہ سے زیادہ اشیاء کو منڈی تک پہنچانے اور اس سے حاصل ہونے والے منافع کے تگ ودو میں اس طرح سے مصروف ہے کہ اس عمل کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بربادی سے لاتعلق ہے۔

ہماری زمین پر پائے جانے والے قدرتی وسائل حیاتیاتی نظام سے ایسے جڑے ہوئے ہیں کہ ان وسائل کے بے لگام استحصال نے اب ایک عدم توازن پیدا کر دیا ہے اور نتیجتاً انسان قدرت کے ہاتھوں ہی بے بس ہوتا جا رہا ہے۔

کارخانوں، گاڑیوں اور دیگر صنعتی پیداوار سے پیدا ہونے والی آلودگی ماحول کو تباہ کر رہی ہے جس سے قدرت کی حفاظتی روک تھام ختم ہوتی جا رہی ہے۔نتیجتاً سیلاب، سمندری طوفان و خشک سالی اور دیگر آفات دنیا کا رخ کیے ہوئے ہیں۔اس کے علاوہ کرہ ارض پر درجہ حرارت میں کئی درجہ اضافہ ہوا ہے۔جنگلات کے خاتمہ نے خشک سالی اور صحراؤں کو فروغ دیا ہے۔

یہ سب مسائل سرمایہ دارانہ نظام کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔انہی آفات کو دیکھتے ہوئے ۱۹۹۱ میں ریو، برازیل میں ایک عالمی کانفرنس برائے پائیدار ترقی کا انعقاد کیا گیا تھا۔اس سال ۲۰۰۲ میں اس کانفرنس میں کیے جانے والے وعدوں اور فیصلوں کی کامیابی اور آئندہ کے لیے اقدامات پر نظر ثانی کے لیے جوہانسبرگ، جنوبی افریقہ میں ایک اور کانفرنس منعقد ہوئی، لیکن جیسا کہ پچھلے ۲۰ سال کے فلسفہ سے ظاہر ہو چکا ہے کہ امریکہ اور دیگر جی۔۸ ممالک آزاد تجارت کو قومی پالیسی کی حیثیت دینے پر تلے ہوئے ہیں، یہی سوچ اس کانفرنس پر بھی حاوی رہی ہے۔بین الاقوامی کمپنیوں نے اپنے مفاد میں ہونے والے ہر فیصلے کو اس کانفرنس پر حاوی کیا جس کے نتیجے میں اس کانفرنس کی ناکامی کے چرچے عام ہیں۔

سرمایہ داری نظام کی تابعداری، دنیا کے لیے وضع کردہ پالیسیوں اور حکمت عملی سے بھی صاف نظر آتی ہے۔مثلاً چین جیسے ممالک میں بھی اس کی پیروی کی عام مثالیں موجود ہیں۔کئی ممالک بین الاقوامی کمپنیوں کے بہلاوے میں آ کر ایسی زرعی پالیسی اپنا رہے ہیں جن کا خمیازہ انھیں مستقبل میں شدت سے بھگتنا پڑے گا۔چین میں بی ٹی کپاس کی فصل کی کاشت کئی ہزار ایکڑ پر کی جاتی ہے۔حالیہ رپورٹوں اور تحقیق سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جینیاتی فصلیں اپنے اندر ماحولیات اور حیاتیات دونوں کے لیے شدید نقصان اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ان تمام خطرات سے آگہی کے باوجود پاکستانی حکومت ابھی تک جی۔۸ ممالک اور عالمی مالیاتی و تجارتی اداروں کے اشاروں پر چلتے ہوئے کارپوریٹ فارمنگ کو زرعی معیشت پر حاوی کرنے پر تلی ہوئی ہے۔مرکزی آرڈننس کے بعد اب صوبے بھی مرکزی حکومت کے احکامات کی روشنی میں کارپوریٹ فارمنگ کو فروغ دینے کے لیے مختلف پالیسیاں اور قانون سازی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ گزشتہ کئی دہائیوں کے غیر ذمہ دارانہ صنعتی پیداوار نے پاکستانی مرد اور عورت پر گہرا اثر چھوڑا ہے، یہ اثر خاص طور پر عورتوں پر زیادہ واضح ہو کر سامنے آتا ہے جس کی وجہ دنیا بھر میں نافذ پدرشاہی نظام ہے۔یہ نظام جب سرمایہ دارانہ نظام سے جڑ جاتا ہے تو عورت کو مزید بے بس کر دیتا ہے۔اس کی وجہ عورت کو ان اختیارات اور حقوق سے محروم رکھنا ہے جو اس کو ایک خود مختیار زندگی گزارنے کی اجازت دیتا ہے۔مثلاً تعلیم، آزادانہ آنے جانے کی اجازت اور غذا ایسے حقوق ہیں جو عورت کو کم ہی حاصل ہیں۔

پدرشاہی نظام اور سرمایہ دارانہ نظام کے مل جانے سے جو دوہرا استحصالی تاثیر پیدا ہوا ہے اس کے خاتمہ کے لیے عورت کو اپنے حقوق کی جنگ لڑنی ہی پڑے گی۔جس کے بغیر ہی مزدور کسان اور نہ ہی کوئی دوسرا پسا ہوا طبقہ آزاد ہو سکتا ہے۔

فہرست مضامین

ماحولیات اور عورت پر سرمایہ دارانہ نظام........ 2
پاکستان میں تحفظ خوراک کی خاطر............ 5
سرمایہ داری: دولت چند افراد کے لیے جبکہ عوام .. 8
سندھ میں شکر سازی کی صنعت کا بحران 10
انجمن مزارعین کی حق ملکیت کی 11
دوسری کانفرنس برائے پائیدار ترقی ... 12
بات تو سچ ہے مگر............ 13
رخ زمانہ............ 15

چیلنج روٹس فار ایکوٹی (Roots for Equity) نے ایچ بی ایف (Heinrich Boll Foundation) کے تعاون سے شائع کیا ہے۔

سیکرٹریٹ: اے-113، بلاک 13- ڈی، گلشن اقبال، کراچی
فون فیکس: 9267 497 21 92+ ای میل: roots@super.net.pk
فیلڈ یونٹ: پلاٹ نمبر 46 گلشن فیض-II، ٹنڈو محمد خان، فون: 42373 224 92+

ماحولیات اور عورت پر سرمایہ دارانہ نظام کے اثرات

عذرا طلعت سعید

سماج عورت کو گھرانے کا ''خدمتگار'' قرار دیتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ عورت پورے خاندان کی دیکھ بھال کی مکمل ذمہ دار ہے۔ بیشتر کاموں میں سے غذا کی فراہمی جیسا بنیادی فریضہ بھی عورت کے سپرد کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ افزائش نسل بھی اسی کی ذمہ داری تصور کی جاتی ہے۔ چونکہ عورت اولاد کو اپنے جسم سے غذا فراہم کرتی ہے اسی لیے اس بندھن کو قدرت سے جوڑ دیا جاتا ہے یعنی عورت کا خوراک فراہم کرنا ایک قدرتی فعل سمجھا جاتا ہے۔ روایتی طور پر اس ذمہ داری کو نبھانے کے لیے دیہات کی عورت نہ صرف ماحول میں پائے جانے والے وسائل کو اپنے اور اپنے خاندان کے لیے استعمال کرتی ہے بلکہ ان وسائل کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اٹھاتی رہی ہے۔ اس کی نظر میں اس کے خاندان کی بقاء قدرتی وسائل کی فراہمی سے جڑی ہوئی ہے۔

سرمایہ داری نظام کے ساتھ جو ترقیاتی منصوبے وجود میں آئے اس نے صنعت کاری کو شدت سے فروغ دیا۔ ان منصوبوں نے ان پرانی روایات اور طریقوں کو کم پیداواری صلاحیت کی بنیاد پر فرسودہ اور دقیانوسی قرار دے کر عام استعمال سے خارج کر دیا۔ اس طرح سرمائے کو جمع کرنے کے لیے تیز تر پیداواری نظام کو فروغ دیا گیا اور عورت، جو کہ زراعت اور خوراک کی پیداوار سے وابستہ تھی، کو نظر انداز کر دیا گیا۔ آج کے دور میں جب گلوبلائزیشن (دوسرے لفظوں میں جدید سرمایہ داری نظام) نے زراعت کو صنعت کا درجہ دے دیا ہے، عورت اس نظام میں مزدور کی حیثیت سے کام تو کرتی ہے لیکن ماحولیات کی بربادی کی وجہ سے اپنے اور خاندان کے لیے خوراک پیدا کرنے اور دستیابی میں سنگین مشکلات کا سامنا بھی کر رہی ہے۔ جدید پیداواری نظام میں کم ہوتے ہوئے قدرتی وسائل سے جو کچھ توڑ جوڑ کر وہ حاصل کرتی ہے، سرمایہ دارانہ نظام اسی کو ماحولیات کی بربادی کا الزام دیتا ہے۔

زراعت میں مشینری کے استعمال نے ہزاروں، لاکھوں کسانوں کو مزدوری

کی طرف دھکیل دیا ہے اور انھیں مجبور کیا ہے کہ وہ روزی کی تلاش میں شہروں کا رخ کریں۔ دیہات سے آئی ہوئی عورت شہر کے ماحول میں سب سے زیادہ پِستی جاتی ہے کیونکہ وہ اس ماحول سے ناواقف ہوتی ہے۔

اگر ہم اس تناظر میں پاکستانی مزدور عورت کا جائزہ لیں تو سمجھ میں آتا ہے کہ جاگیردارانہ، سرمایہ دارانہ اور پدر شاہی نظام نے عورت کو کس قدر پیسا ہے۔ پاکستان کی ۶۷ فیصد عوام دیہات میں رہتی ہے جو قدرتی وسائل کے استعمال سے ہی اپنا گزر بسر کرتی ہے۔ عورت قدرت سے گھر بنانے کے لیے لکڑی اور مٹی، جانور کے لیے چارہ، خاندان کے لیے اناج، سبزی، دودھ اور پانی حاصل کرتی ہے۔ اس سارے کام کی ذمہ داری عورت کے سر پر ہے لیکن کسی بھی کام کا فیصلہ کرنے کا اس کو حق نہیں دیا جاتا۔ سب سے بڑا ثبوت تو افزائش نسل کا فیصلہ ہے جس پر عورت کو کوئی اختیار نہیں۔ اس کے علاوہ پاکستانی آبادی میں دنیا بھر کے برعکس، مردوں کا تناسب عورتوں سے زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بچیوں کی پیدائش پر افسوس اور ان کی طرف بے توجہی اور لاپرواہی زندگی کے پہلے ہی سال میں ان کی جان لے لیتی ہے۔ بچیوں اور عورتوں کو تعلیم اور دیگر پیداواری ہنر سے دور رکھا جاتا ہے۔ آزادی سے گھر کی چار دیواری سے باہر آنے جانے کی پابندی کی وجہ سے وہ اپنی علاقائی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں سے ناواقف ہوتی ہیں۔ اس طرح جدید پیداواری نظام کے نقطہ نظر سے عورت کو جاہل کا خطاب دے کر مزید بے اختیار بنا دیا گیا ہے۔ پاکستان کے دیہی آبادی کا صوبائی تجزیہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ عورتوں اور مردوں کی خواندگی میں کتنا فرق پایا جاتا ہے: سندھ میں عورتیں ۱۳ فیصد اور مرد ۴۰ فیصد، بلوچستان میں عورتیں ۸ء۸ فیصد اور مرد ۲۸ فیصد، سرحد میں عورتیں ۱۶ء۷ فیصد اور مرد ۴۸ فیصد اور پنجاب میں عورتیں ۲۵ فیصد اور مرد ۵۱ فیصد خواندہ ہیں[1]۔

پدر شاہی اور سرمایہ داری نظام کے دہرے وار نے عورت کی خودی اور خود اعتمادی کو شدت سے مجروح کیا ہے۔ نتیجتاً وہ بھی اپنے آپ کو سماج کی نگاہوں سے پرکھتی ہے اور مردوں کی بہ نسبت اپنے آپ کو کم تر سمجھتی ہے۔ وہ علم و حکمت جو اس نے اپنی

بڑی بوڑھیوں سے سیکھا، اس کو بے بنیاد اور فرسودہ سمجھتی ہے۔

آزاد تجارت اور صنعتی زراعت کے تحت نئے بیج، مصنوعی کھاد اور زہریلی کیڑے مار ادویات کو اول درجہ دے دیا گیا ہے۔ اس ٹیکنالوجی سے کچھ عرصے تک کے لیے فصل کی پیداوار میں کئی گنا اضافہ تو ہوتا ہے لیکن کچھ ہی عرصہ بعد یہ عمل رک جاتا ہے۔ جب تک کھاد کے مقدار میں مزید اضافہ نہیں کیا جاتا پیداوار میں کمی ہوتی جاتی ہے۔ سبز انقلاب سے وقتی طور پر پیداوار میں جو اضافہ ہوا تھا اس کے عوض عورت نے بہت کچھ گنوایا ہے مثلاً گھرانے کے لیے اناج، سبزی، دودھ اور دیگر اشیاء میں شدت سے کمی، جنگلات، پانی اور مختلف قدرتی وسائل کا استحصال شدت سے ہوا کیونکہ یہ سرمایہ دارانہ نظام میں سرمایہ حاصل کرنے کے لیے ایک قیمتی شئے میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ اب اناج خوراک کے لیے نہیں بلکہ زرمبادلہ کمانے کے لیے نقد آور فصل کی صورت اختیار کر چکی ہے۔ اس کے علاوہ کیمیائی کھاد اور زہریلی دوا نے نہ صرف پانی، زمین اور مویشیوں کا چارہ زہر آلودہ کر دیا ہے بلکہ ماں کے دودھ تک کو اپنے لپیٹ میں لے لیا ہے۔ عورت اور مرد دونوں کے افزائش نسل کے نظام پر منفی اثر پڑا ہے اور اس طرح معذور بچوں کی پیدائش میں اضافہ ہوا ہے۔ جنگلات اور گھاس کی کمی نے گھرانے میں دودھ دینے والے جانوروں کی تعداد کم کر دی ہے اور تحفظ خوراک کو متاثر کیا ہے۔ اسی طرح جنگلات کے کٹنے سے بارشوں میں کمی واقع ہوئی ہے نتیجتاً صحراؤں کی وسعت میں اضافہ ہوا ہے۔ ماحولیات میں پائی جانے والی بربادی کی بنیادی وجہ سرمایہ دارانہ نظام کا غیر پائیدارانہ طریقہ پیداوار ہے۔ اس سلسلے میں جو دو اہم مسائل سامنے آتے ہیں وہ زرعی زمین کا بنجر ہونا اور صنعتی زراعت کے نتیجے میں بڑھتی ہوئی بے روزگاری ہے۔ ان سب اثرات کا گھمبیر اور دیرپا اثر دیہاتی آبادی کا شہر کی طرف منتقلی ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کا سب سے اہم مقصد پیداوار میں اضافہ کی تگ و دو ہے۔ اس کی نظر میں انسان کی حیثیت، پیداوار میں صرف ایک آلے کی طرح ہے۔ جتنی زیادہ انسانی آبادی بے روزگار ہوگی اس کے لیے فائدہ مند ہے، کیونکہ وہ مزدور کو کم سے کم اجرت پر اپنے فائدے کے لیے زیادہ سے زیادہ استعمال میں لا سکے گا۔ عورت جب شہری زندگی میں داخل ہوتی ہے تو بغیر تعلیم اور ہنر کے سستی سے سستی اجرت پر کام کرنے پر راضی ہو جاتی ہے۔ پاکستان میں اسکی کئی مثالیں موجود ہیں۔ بنگلہ دیش کی بگڑتی ہوئی معیشت نے، جس میں سرمایہ داری نظام کا قوی ہاتھ ہے، وہاں کی عورت کو مجبور کیا ہے کہ وہ اپنے ملک سے دوسرے ملکوں میں معاش کی تلاش میں نکلے۔ کراچی کے ساحلی علاقے سے شکار کیے گئے جھینگے کو کشتیوں اور ٹرالرز کے ذریعے صفائی کے لیے رات دو بجے کے قریب کچی آبادیوں میں واقع چھوٹے چھوٹے غیر رسمی گیراجوں میں لایا جاتا ہے، یہ کام بنگالی اور کچی آبادیوں میں رہنے والی غریب ترین مزدور عورتوں سے لیا جاتا ہے۔ رات کے تین بجے سے لیکر دن کے ۱۲ بجے تک پیڑیوں پر بیٹھ کر عورتیں یہ کام سرانجام دیتی ہیں۔ برف کی سیلیں اس اندھیرے اور گھٹے ہوئے ماحول میں رکھی ہوتی ہیں اور عورتیں شل ہوئی انگلیوں سے جھینگے کی صفائی کرتی ہیں۔ اس کام سے ان کی انگلیاں زخمی ہو جاتی ہیں لیکن معاشی مجبوری اور سرمائے کے استحصال کے آگے بے بس ہوتی ہیں۔ یہ عورتیں نہ صرف معاش کی تلاش میں کم اجرت پر کام کرتی ہیں بلکہ گھر چلانے کی پوری ذمہ داری بھی اپنے سر لیے ہوئی ہوتی ہے۔ کچی آبادیوں میں پانی یا گیس کی سہولت نہیں ہوتی۔ عورتیں اور بچیاں دور دور سے پانی بھر کر لاتی ہیں اور ایک غیر مانوس ماحول میں پدرشاہی نظام کے ظلم کو برداشت کرتی ہوئی کسی نہ کسی طرح اپنے اور اپنے گھرانہ کو چلاتی رہتی ہیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام نہ صرف جنگلات اور زرعی علاقوں کا استحصال کرتا ہے بلکہ زر کی تلاش میں سمندر میں پائے جانے والی قدرتی وسائل پر بھی بھرپور وار کرتا ہے۔ جھینگا بیرونی ممالک میں انتہائی مہنگے داموں فروخت ہوتا ہے لیکن ان عورتوں کو ۹ سے ۱۰ گھنٹے کی سخت محنت کے صلے میں مشکل سے ۸۰ سے ۱۰۰ روپے حاصل ہوتے ہیں۔ اس طرح ایک طرف ہم اپنے قدرتی وسائل اور غذا سرمایہ داروں کے ہاتھوں سستے داموں غیر ملکی کمپنیوں کو بیچ دیتے ہیں تو دوسری طرف سرمایہ کاری کو اپنے ملک میں فروغ دینے کے لیے سستا مزدور فراہم کرتے ہیں۔ ان حالات میں مزدور عورت ایک کم تر زندگی گزارنے پر مجبور کر دی جاتی ہے۔ گلوبلائزیشن کے حامیوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ سرمایہ دنیا بھر میں ایسے حالات پیدا کر رہا ہے کہ مزدور مرد و

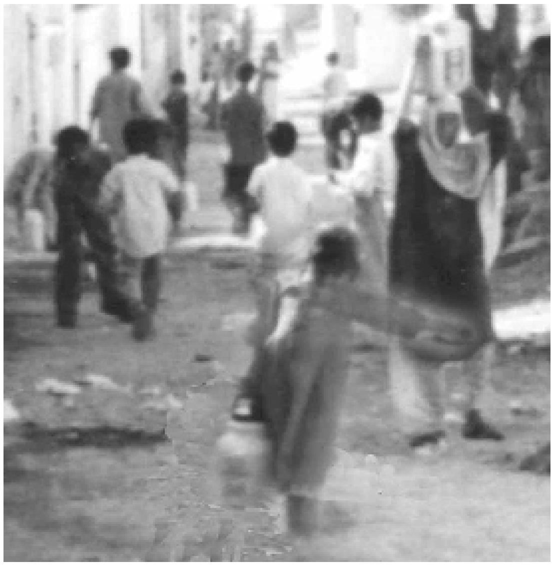

عورت اپنے علاقے چھوڑ کر معاش کی تلاش میں سخت تکالیف برداشت کرتے ہوئے دوسرے علاقوں کا رخ کریں۔

پاکستان کے کئی شہروں میں کثرت سے کارخانے پائے جاتے ہیں۔ان کی پیداوار کے نتیجے میں جو زہریلی کیمیائی فضلہ جمع ہوتا ہے اس کو دریاؤں اور سمندر میں پھینک دیا جاتا ہے۔اس عمل سے دریاؤں اور سمندر میں پائی جانے والی زندگی پر کئی گنا منفی اثر پڑا ہے۔اس کے علاوہ سندھ اور بلوچستان کے علاقوں میں بڑے بڑے ٹرالرز اور پانی کے جہاز سمندری پانی کو آلودہ کرتے ہیں۔کراچی کے قریب سمندری پانی میں ڈی ڈی ٹی، پی سی بی اور دوسرا زہریلا مواد پایا جاتا ہے جس سے نہ صرف پانی زہریلا ہوتا ہے بلکہ اس میں بسنے والی مچھلی بھی[2]۔ خاص طور پر وہ مچھیرے اور ان کے گھرانے جو سمندر سے اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں، مچھلی پکڑنے میں مشکل ہی سے کامیاب ہوتے ہیں کیونکہ غیر ملکی جہاز (ٹرالرز) بڑے بڑے جال استعمال کرتے ہیں جس سے مچھلی بڑی تعداد میں شکار کی جاتی ہے جس کی وجہ سے مچھلی کم ہوتی جارہی ہے۔اس کے علاوہ جو مچھلی پکڑی جاتی ہے، اس میں بھی زہریلا مواد ہوتا ہے اور یہی مچھلی خوراک کا حصہ بنتی ہے۔ہمارے ملک کے ساحلی علاقوں کی کئی آبادیاں صنعتی ترقی اور مچھلیوں کی برآمد کی وجہ سے شدید بحران کا سامنا کررہی ہیں۔سندھ کے ساحلی سمندر میں تیمر کے جنگلات کی تباہ کاری عام ہے اور اس کے اردگرد بسنے والی آبادیوں کے ہزاروں افراد ہجرت پر مجبور ہیں جس کی وجہ سے یہ بستیاں غیر آباد ہوتی جارہی ہیں[3]۔

شہر کے صنعتی علاقوں میں واقع کچی آبادیوں میں فضلہ اور گند کے علاوہ کارخانوں سے نکلنے والا دھواں وہاں کے باسیوں کے لیے سخت نقصاندہ ہے۔خیال کیا جاتا ہے کہ کراچی میں روزانہ تقریباً ۱۰،۰۰۰ میٹرک ٹن فالتو کچرا ٹھوس شکل میں جمع ہوتا ہے جس میں سے ۶۰ سے ۷۰ فیصد کراچی کی سڑکوں پر پایا جاتا ہے[4]۔ یہی حال لاہور سمیت دوسرے بڑے شہروں کا بھی ہے۔ماحولیاتی آلودگی کے بارے میں یہ تصور کیا جاتا ہے کہ یہ مرد کی بہ نسبت عورت پر زیادہ منفی اثرات مرتب کرتی ہے کیونکہ عورتوں کی جلد مردوں سے زیادہ نرم اور حساس ہوتی ہے۔ایک بین الاقوامی طبی رسالہ (لین سیٹ) کے مطابق ایسی عورتیں جو خطرناک فضلہ سے تین کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہوں ان میں سے ۴۰ فیصد کو یہ خطرہ لاحق ہوسکتا ہے کہ ان سے پیدا ہونے والی اولاد ذہنی پسماندگی کا شکار ہو[5]۔ مثلاً ایک بیماری جسے *ڈاؤن سینڈروم* کہا جاتا ہے، میں مبتلا لوگوں کی ذہنی قابلیت عام لوگوں سے کئی درجہ کم ہوتی ہے، یہ بیماری بھی ان علاقوں میں ہوسکتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ماحولیاتی آلودگی سے پیدا ہونے والی بیماریوں کا بوجھ بھی عورت کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔شہر اور دیہات دونوں میں عورت ہی ذہنی اور جسمانی بیمار افراد کی دیکھ بھال کا ذمہ اٹھائے ہوئے ہوتی ہے۔ایسے افراد کی دیکھ بھال نہ صرف ذہنی پریشانی کا باعث ہوتی ہے بلکہ جسمانی صحت پر بھی منفی اثرات مرتب کرنے کا باعث بنتی ہے۔جیسا کہ پہلے کہا جاچکا ہے عورت پاکستانی معاشرے میں پدرشاہی نظام کے جال میں پھنسی ہوئی ہے جہاں ظلم اور استحصال کی بنیاد پر اس کو غذا، تعلیم اور خودمختیاری میں سے کوئی بھی حق حاصل نہیں، وہاں ماحولیاتی آلودگی یقیناً شہری اور دیہی عورت کے لیے ایک اور بوجھ ہے۔

پاکستان میں ماحولیات کے حوالے سے شہروں میں کیڑے مار ادویات کی ذخیرہ اندوزی ایک تشویش ناک مسئلہ ہے۔کہا جاتا ہے کہ پاکستان میں پرانی اور آج کل کے دور میں استعمال نہ ہونے والے کیڑے مار ادویات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ اس ۱۷۰۰ سے ۲۰۰۰ ٹن کیڑے مار ادویات کے ذخیرے میں دوتہائی ذخیرہ نہایت ہی خطرناک کیڑے مار ادویات کا ہے[6]۔ چونکہ زہریلے ادویات کے گودام شہری آبادی میں پائے جاتے ہیں اس لیے زیادہ خطرناک ہیں۔یہ گودام زیادہ تر کچی آبادیوں میں موجود ہیں جہاں پر آبادی گنجان ہوتی ہے۔کچی آبادیوں میں عورتیں اور بچے ہر وقت موجود ہوتے ہیں جبکہ مرد کام کے لیے باہر جاتے ہیں۔اس طرح ان کیڑے مار ادویات کا اثر بچوں اور عورتوں پر ہونے کے زیادہ امکانات ہیں۔

صنعتی ترقی کا شہروں پر ایک اور منفی اثر گاڑیوں اور رکشاؤں کی کثرت کی وجہ سے بھی پڑا ہے، جن سے نکلنے والے دھوئیں سے خون میں زہریلا مواد (سیسہ) خطرناک حد تک پہنچ جاتا ہے۔اس کا سب سے خطرناک اثر بچے اور بچیوں پر پڑا ہے۔آغا خان یونیورسٹی کے ایک سروے کے مطابق ۴۰۰ بچوں میں سے ۳۲۲ کے خون میں سیسہ کی مقدار مقررہ حد سے تجاوز کرچکا ہے[7]۔ان بچوں کی عمریں تین سے پانچ سال کے درمیان تھی جو اس بات کی دلیل ہے کہ چھوٹے بچے ماحولیاتی آلودگی سے متاثر ہوکر سخت نقصان اٹھاتے ہیں۔

اس طرح سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ سرمایہ دارانہ نظام اپنے ساتھ زیادہ سے زیادہ پیداواری صلاحیت تو ضرور لاتا ہے لیکن اس صلاحیت کو قدرتی وسائل اور جانداروں کے استحصال کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔مزدور طبقہ اس استحصال میں سب سے زیادہ پستا ہے۔مزدور عورت چونکہ دو نظاموں (یعنی پدرشاہی اور سرمایہ داری) کی چکی میں پسی ہوئی ہے اس لیے ماحولیاتی بحران سے پیدا ہونے والے مسائل کا سب سے زیادہ سامنا بھی اسی کو کرنا پڑرہا ہے۔جب تک سرمایہ دارانہ نظام کا خاتمہ نہیں ہوگا ماحولیات اور انسانی آبادیوں کا استحصال جاری رہے گا۔

حوالاجات:

۱۔ پاکستان اسٹاٹیسٹیکل ایئر بک، ۲۰۰۱۔

۲۔ عامر کبیر، مرین پلوشن ایلونگ دا کوسٹ لائن۔ ڈان، ۱۴، جنوری ۲۰۰۲۔

۳۔ عامر کبیر، انڈس ڈیلٹا انڈر تھریڈ بائی ایڈوانسینگ سی، دی نیوز، ۳۰، جولائی ۲۰۰۱۔

۴۔ ثمینہ اقبال، انوائرنمنٹ اپ ڈیٹ، ڈان، ۱۰، اپریل ۲۰۰۲۔

۵۔ ثمینہ اقبال، انوائرنمنٹ اپ ڈیٹ، ڈان، ۲۶، فروری ۲۰۰۲۔

۶۔ جی ٹی زی، انوائرنمنٹل پروٹیکشن ایجنسی، گورنمنٹ آف این ڈبلیو ایف پی، سیف گارڈنگ اینڈ ڈسپوزل آبسولیٹ پیسٹی سائیڈز ان این ڈبلیو ایف پی/ پاکستان، پشاور، جی ٹی سی، ۱۹۹۹۔

۷۔ مبینہ اگبوٹ والا، الارمنگ لیڈ لیولز ان کراچی ایئر، ڈان، ہیلتھ اینڈ انوائرنمنٹ، ۸، اگست ۲۰۰۱۔

یہ مضمون سوشل ڈیولپمنٹ پالیسی انسٹی ٹیوٹ (ایس ڈی پی آئی) کی تیار کردہ ''اسٹیٹ آف دی انوائرنمنٹ رپورٹ'' میں شائع کردہ ''عورت اور ماحولیات'' کے حصے کا خلاصہ ہے۔

پاکستان میں تحفظ خوراک کی خاطر کیڑے مار ادویات پالیسی کی اصلاحات (خلاصہ)

شائع کردہ: حکومت پاکستان، یو این ڈی پی، ایف اے او اور گلوبل آئی پی ایم فسیلیٹی بہ تعاون ہینوور یونیورسٹی

سرتاج خان

پاکستان میں غذائی فصلوں کے بجائے تجارتی مقاصد اور زرمبادلہ کے حصول کی خاطر نقد آور فصلوں مثلاً کپاس کی ریاستی سرپرستی نے کیڑے مار ادویات کے بڑھتے ہوئے استعمال میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ جدید کاشتکاری کے طریقوں کا سبز انقلاب کے نام پر متعارف کرائے جانے کے بعد کاشتکاری کے روایتی اور قدرتی طریقوں کو ترک کردیا گیا، جس نے کسان اور دیہی آبادی کے صحت اور ماحول پر شدید منفی اثرات مرتب کیے۔ روایتی اور قدرتی طریقہ زراعت میں گھرانہ کے سب افراد خصوصاً عورت کی شمولیت ایک بہت اہم عنصر تھا۔ کسان گھرانہ اپنی ضروریات پورے کرنے کی خاطر کاشتکاری کرتا تھا۔ اس لیے جانور پالنا اور مختلف فصلوں کی کاشت ایک عام دستور تھا۔ یہ طریقہ زراعت بیج، کھاد اور کیڑے مار ادویات کے قدرتی ذرائع پر انحصار کرتا تھا جس سے دیہی آبادی کا تحفظ خوراک اور ماحول دونوں کسی حد تک محفوظ تھے۔ سبز انقلاب اپنے ساتھ مقامی ماحول سے غیر مانوس ''زیادہ پیداواری بیج'' لایا۔ اس بیج کو زیادہ پانی، کیمیائی کھاد اور نتیجتاً کیمیائی زہریلی کیڑے مار ادویات کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ زمین کے بڑے رقبے پر نقد آور فصلوں کی کاشت، نئے بیج اور کیڑے مار ادویات نے نہ صرف دیہی آبادی بلکہ شہری آبادی کو متاثر کیا ہے۔

جدید طریقہ زراعت کے باعث پانی، خوراک اور مٹی کی آلودگی میں اضافہ ہوا ہے۔ جدید مشینری کے استعمال سے افرادی قوت کی ضرورت میں کمی، زمین کی زرخیزی کا متاثر ہونا اور مصنوعی کھاد اور کیڑے مار ادویات کے بڑھتے ہوئے استعمال کے نتیجے میں پیداواری لاگت اور ساہوکاروں اور بینکوں کے قرضوں میں اضافے نے کسان آبادی کو مجبور کیا کہ نوکری کی تلاش میں شہروں کا رخ کریں، جس کی وجہ سے پاکستان میں شہروں کے گرد کچی بستیاں وجود میں آئیں اور شہری مسائل میں اضافہ ہوا۔

پاکستان میں ۱۹۸۸ تک کسی نہ کسی شکل میں کسانوں کو ریاست کی طرف کچھ امداد اور چھوٹ کی شکل میں مراعات حاصل ہوتی تھیں لیکن ۱۹۹۰ کی دہائی کے قریب سے پاکستان آزاد منڈی کی پالیسیوں پر گامزن ہوا۔ ان پالیسیوں سے جہاں عوام کے دیگر حصے شدید متاثر ہوئے وہاں مقامی کسان اور دیہی آبادی کو خاص کر ہر قسم کے مراعات سے محروم کرتے ہوئے منڈی کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا۔ زیر نظر تحقیق میں انہی مسائل کے حوالے سے جائزہ لیا گیا ہے۔ اس میں کیڑے مار ادویات کے بارے میں ریاستی پالیسی پر تنقید کی گئی ہے اور کیڑے مار ادویات کے عوام کی صحت اور ماحول پر پڑنے والے اثرات اور ملکی معیشت کو پہنچنے والے فوائد کا معاشی تقابلہ ''زر'' میں ناپنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس بنیاد پر ہونے والے تجزیہ سے بھی یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ملک میں کیڑے مار ادویات کے استعمال کا کوئی جواز موجود نہیں۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ عوام کی صحت اور ماحول کو پہنچنے والے نقصانات کو صرف ''زر'' کے پیمانے سے ناپنا درست نہیں۔ پاکستان میں ہر سال کیڑے مار ادویات سے کم از کم ۱۰ ہزار افراد ہلاک اور ہزاروں کی تعداد میں بیمار ہوتے ہیں جس میں بڑی تعداد مزدور کسان مرد اور عورتوں کی ہوتی ہے۔ ماں یا باپ سے محروم ہونے والے بچوں کی تربیت اور مسائل پورے سماج کے لیے مسئلہ ہے۔ کسی بیمار فرد کے کام سے غیر حاضری یا صحت پر اخراجات کا زری پیمانہ تو ہوسکتا ہے لیکن اس فرد کی تکالیف اور اس کے سماج پر پڑنے والے اثرات کا کوئی زری پیمانہ موجود نہیں ہے۔ ماحول میں نظر نہ آنے والے جاندار تک شامل ہیں، یہ سب خوراک کے تسلسل کی کڑی سے جڑے ہوئے ہیں جس میں ایک کڑی کے متاثر ہونے سے پورے نظام میں گڑبڑ پیدا ہوسکتی ہے۔ یہ نظام قدرتی طور پر حالات کے مطابق تبدیل ہوتا رہتا ہے لیکن جدید کیمیائی مرکبات نے اس کو شدت کے ساتھ متاثر کیا ہے۔ کیڑے مار ادویات پر ہونے والی تحقیقات کا مکمل سماجی و معاشی پس منظر میں جائزہ لینے کے علاوہ اس کو پورے نظام کی سطح پر دیکھنے کی ضرورت ہے مثلاً آزاد تجارت، عالمی ادارے و معاہدے، کیڑے مار ادویات کی بین الاقوامی کمپنیاں، ترقی یافتہ ممالک کی پالیسیاں، قومی حکومتوں اور پالیسی ساز اور تحقیقی اداروں سے وابستہ افراد کا ان اداروں سے تعلق دیکھنے کی اشد ضرورت ہے۔ بہرحال اس تحقیق سے کافی حد تک کیڑے مار ادویات، ملکی پالیسی اور آزاد تجارت کے منفی اثرات اجاگر ہوئے ہیں۔ یہاں اس تحقیق کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے۔

تعارف

زراعت پاکستان کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ ملک کے غریب ترین دیہی آبادی کے روزگار کا اہم ذریعہ ہے۔ پاکستان کا زرعی شعبہ قومی آمدنی کا ۲۵ فیصد پیدا کرتا ہے جبکہ کل افرادی قوت کا ۴۴ فیصد زراعت سے منسلک ہے۔ گزشتہ تین دہائیوں سے زرعی پیداوار میں ۳٫۸ فیصد کے شرح سے اضافہ ہوا ہے۔ زراعت کی پاکستانی معیشت میں اسی اہمیت کے پیش نظر فصل پر کیڑوں کا حملہ، زرعی پیداوار میں کمی یا تباہی سخت تشویش کی بنیاد ہے۔ کیڑوں کو ختم کرنے کے لیے کیڑے مار ادویات کا ضرورت سے زیادہ استعمال پاکستان میں عام ہے جو زرعی پیداوار کی صلاحیت کو سخت نقصان پہنچا رہا ہے۔ معاشی مسائل سے نمٹنے کے لیے حکومتوں کو عالمی مالیاتی اداروں سے رجوع کرنا پڑتا ہے۔ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک نے دیگر ممالک کی طرح پاکستان میں بھی معاشی اصلاحات متعارف کروائے جو اسٹرکچرل ایڈجسٹمنٹ پروگرام کہلاتے ہیں۔ اس پروگرام کے تحت پاکستان میں آزاد معیشت کی راہ میں حائل رکاوٹوں، حکومتی

اثر و رسوخ کا خاتمہ اور نجی شعبہ کی حوصلہ افزائی شامل ہے۔ کھلی منڈی کی پالیسیوں کے تحت کیڑے مار ادویات کے استعمال کے رجحان میں شدت سے اضافہ ہوا ہے۔ اس پالیسی کے تحت پڑنے والے اثرات محدود پیمانے پر دیکھے جاتے ہیں جو درست نہیں ہے۔ اس روشنی میں اگر ہم کیڑے مار ادویات کا کثرت سے استعمال کا جائزہ لیتے ہیں تو واضح ہوتا ہے کہ کیڑے مار ادویات، کیڑوں کے حملے اور ان سے پیدا ہونے والے مسائل کو مزید فروغ دے رہی ہے جس سے ماحول اور معاشرے پر شدید منفی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں کوئی دقت پیدا نہیں ہوتی کہ آزاد تجارت کے اصول پاکستانی عوام اور معاشرے کے لیے بہتر قرار نہیں دیے جاسکتے۔ ان حالات میں حکومت کو چاہیے کہ وہ مداخلت کرے اور ایسے اصول وضوابط ترتیب دے جو کہ پائیدار زرعی پیداواری نظام کو فروغ دے۔

پاکستان میں کیڑے مار ادویات کا استعمال

پاکستان میں جدید کیمیائی کیڑے مار ادویات کا استعمال ۱۹۵۰ کی دہائی میں شروع ہوا۔ اس سے پہلے کیڑوں سے بچاؤ کے لیے روایتی غیر کیمیائی طریقوں کا استعمال ہوتا تھا۔ کیمیائی طریقوں کے متعارف کروانے کے بعد سے ۱۹۶۰ کی دہائی تک روایتی طریقوں کا استعمال تقریباً ختم ہو چکا تھا۔ ۱۹۵۴ میں حکومت پاکستان نے ۲۵۴ ٹن کیڑے مار ادویات درآمد کیے جس سے ملک میں کیمیائی کیڑے مار ادویات کے کاروبار کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ ۱۹۸۰ تک ملک میں شعبہ تحفظ نباتات کیڑے مار ادویات کی درآمد اور تقسیم کی ذمہ دار تھی۔ حکومت ٹڈی کے حملوں سے نمٹنے کے علاوہ بڑی فصلوں پر ہوائی جہاز کے ذریعے کیڑے مار ادویات کا اسپرے کرتی تھی۔ ابتداء میں حکومت نے کسانوں کو سستے داموں کیڑے مار ادویات کی فراہمی ممکن بنانے کے لیے کیڑے مار ادویات پر چھوٹ دی جسکی وجہ سے اس کی قیمت کم تھی جبکہ ہوائی اسپرے حکومت خود اپنے وسائل سے کرتی تھی۔ بعدازاں کیڑے مار ادویات کے استعمال میں تیزی سے اضافہ ہوا اور ۱۹۸۰ میں یہ کاروبار نجی شعبہ کے حوالے کیا گیا۔ حکومت کی ''زیادہ اگاؤ'' پالیسی نے روایتی کاشتکاری کی جگہ جدید کاشتکاری کے طریقے اور کیڑے مار ادویات کے استعمال کو بے تحاشہ بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا۔ نجی شعبہ نے حکومت کی پالیسوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ ریڈیو اور ٹی وی جیسے ابلاغ عامہ کے ذرائع پر کسانوں کو باور کرایا گیا ہے کہ کیڑے مار ادویات کے استعمال کے سوا کوئی چارہ نہیں لیکن کیمیائی ادویات کے استعمال سے مسئلہ حل ہونے کے بجائے مزید سنگین ہو گیا ہے۔ ادویات کے چھڑکاؤ سے زرعی ماحولیات کو نقصان پہنچا جس میں دوست کیڑوں کے علاوہ پرندے بھی شامل ہیں۔ اس کے برعکس پودوں کو نقصان پہنچانے والے حشرات الارض میں کیڑے مار ادویات کے خلاف مزاحمت پیدا کرنے کی وجہ سے اس کے استعمال میں مزید شدت پیدا ہو گئی ہے، جس کا احساس پالیسی ساز افراد کو بھی ہوا ہے۔ کیڑے مار ادویات کے بڑھتے ہوئے استعمال نے کیڑوں کی دوسری نسلوں کو جنم دیا جو ادویات کے خلاف مزاحمت کے حامل تھے۔ اس کے علاوہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ قدرتی حیاتیاتی نظام جو کہ کیڑوں کے نظام کی تعداد کو روکنے کے لیے سودمند ثابت ہوتا تھا، کیمیائی ادویات کے بے تحاشہ استعمال سے سخت متاثر ہوا ہے اور اس کے وجود میں ۹۰ فیصد کمی آئی ہے۔ ان وجوہات کی بناء پر متبادل طریقوں کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔

پاکستان میں مجموعی کیڑے مار ادویات کا ۵۴ فیصد حصہ صرف کپاس کی فصل پر استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ سوچ بغیر کہ کیڑے مار ادویات کے استعمال کے نتیجے میں کس قدر فائدہ ہو رہا ہے، کیڑے مار ادویات کا استعمال بڑھا دیا گیا ہے۔ کیڑے مار ادویات سے ہونے والے نقصانات کے بنیادی تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت پاکستان کی طرف سے کپاس کی پیداوار بڑھانے کے لیے کیڑے مار ادویات کے استعمال پر جو بھروسہ کیا گیا وہ درست ثابت نہیں ہوا۔

کیڑے مار ادویات سے پیدا ہونے والے مسائل اور اثرات

اقوام متحدہ کا ادارہ برائے ترقی (یو این ڈی پی) کی ایک تفصیلی رپورٹ کے مطابق کیڑے مار ادویات کا سنگین اثر انسانی صحت، قدرتی وسائل اور ماحولیات پر ہوتا ہے۔ ان اثرات کی وجہ سے جن مسائل اور وجوہات پر نظر رکھنا ضروری ہے ان میں انسانی اور پیداواری اخراجات اور ماحولیاتی مسائل شامل ہیں۔ ان تینوں مسائل کو کیڑے مار ادویات کے لیے پالیسی بناتے وقت زیرغور رکھنا ضروری ہے۔ کیڑے مار ادویات سے ان ادویات کا چھڑکاؤ کرنے والے اور کپاس چننے والے مزدور کسان مرد اور عورت سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ کیڑے مار ادویات کی صنعت سے وابستہ وہ افراد جو اس کی تیاری اور بعدازاں اس کی فروخت میں حصہ لیتے ہیں، ان کی صحت پر بھی مضر اثرات پڑتے ہیں۔ زہریلی دوا کا اثر سبزی، پھٹی، شہد کی مکھی، چرند پرند اور ماحول، نہری پانی سمیت سب پر ہوتا ہے۔ انسانی صحت، پیداوار اور ماحولیات پر اثر کا مداوا کرنے کے اخراجات کے علاوہ اس نقصان کا حساب لگانا مشکل ہے جو کہ حیاتیاتی تباہ کاری سے ہوتا ہے۔

پاکستان میں ہونے والی تحقیقات کے مطابق کیڑے مار ادویات کے ضمن میں سب سے زیادہ نقصان انسانی صحت کے حوالے سے ہوتا ہے، خاص طور پر ان مزدوروں پر جو اس پیداواری ماحول سے کسی بھی حوالے سے جڑے ہوئے ہیں جہاں پر کیڑے مار ادویات کی پیداوار یا استعمال ہوتا ہے۔ زہر کے اثرات سے سالانہ ہزاروں افراد ہلاک ہوتے ہیں۔ یو این ڈی پی کے مطابق پنجاب میں کپاس کے پیداواری علاقوں میں ہر دوسرا گھرانہ کیڑے مار ادویات سے تعلق رکھنے والی بیماریوں کا شکار ہے۔

پاکستان میں کیڑے مار ادویات کا اثر یقیناً عورتوں پر زیادہ ہے کیونکہ کپاس کی چنائی روایتی طور پر مزدور عورتیں کرتی ہیں۔ جوں جوں کیڑے مار ادویات کے استعمال میں اضافہ ہو رہا ہے، ان کے لیے خطرات بھی اسی قدر بڑھ رہے ہیں۔ زہر کے معیادی اثرات معلوم کرنے کے لیے خون میں سی ایچ ای کی سطح معلوم کی جاتی ہے یا پھر خون، ماں کے دودھ اور چربی میں کیڑے مار ادویات کو ناپا جاتا ہے۔ کیڑے مار ادویات کے انسانی جسم میں داخلہ تین ذرائع یعنی جلد، پھیپھڑے اور نظام ہاضمہ سے ہوتا ہے۔

کیڑے مارادویات سے مختلف قسم کے کینسر، افزائش نسل اور اعصابی نظام میں بے ترتیبی اور مختلف قسم کی جلدی بیماریاں ہوسکتی ہیں۔ کپاس کی چنائی سے وابستہ ۶۸ فیصد عورتوں کو کیڑے مارادویات کے صحت پر اثرات کا پتہ نہیں جبکہ ۹۵ فیصد چنائی کے دوران کسی قسم کے حفاظتی اقدامات اختیار نہیں کرتی ہیں۔ عورتوں کے برعکس مرد زیادہ باخبر (۸۲ فیصد) ہیں لیکن اس سے ان کے کیڑے مارادویات کے استعمال یا چھڑکاؤ کے بارے میں ان کے رویہ پر کوئی اثر نہیں پڑا۔

ایک حالیہ مطالعہ کے دوران کچھ سبزیوں (بھنڈی، بینگن، لوکی)، سیب، کپاس کے بیج، کھلی اور پانی کا تجزیہ کیا گیا۔ کیمیائی تجزیہ سے پتہ چلا کہ ان سب میں کیڑے مارادویات کی باقیات موجود ہیں۔ تجزیے کے لیے منتخب سبزیوں میں آلودگی کی شرح متعین حدود سے بھی ۶۳ فیصد زیادہ تجاوز کرگئی تھی۔

پاکستان میں اس وقت ایک سنگین مسئلہ یہ ہے کہ کیڑوں نے کیمیائی ادویات کے خلاف کافی مزاحمت پیدا کرلی ہے۔ جس کی وجہ سے کیڑے مارادویات کے استعمال میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ کسان کپاس کی متوقع فی ایکڑ پیداوار کے حصول کی خاطر کیڑے مارادویات کا استعمال بڑھا رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ۱۹۹۲ اور ۱۹۹۶ میں کسانوں کے فصل پر پیداواری لاگت آمدنی سے بڑھ گئی۔ پیداواری لاگت میں اضافہ کے علاوہ ایک قابل تشویش امراس کے ماحولیات پر اثرات ہیں۔ اس سے ماحول میں موجود جانداروں پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں لیکن اس طرف بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔

ملک کے نو بڑے کپاس پیدا کرنے والے اضلاع کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ سالانہ ۲۶ لاکھ عورتیں کپاس کی چنائی کرتی ہیں جس میں سے ۲۳ لاکھ عورتوں کی صحت کیڑے مارادویات سے متاثر ہوتی ہے۔ نتیجتاً علاج پر کافی اخراجات آتے ہیں جو ان کی آمدنی کی بہ نسبت زیادہ ہوتے ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق کپاس کی چنائی سے وابستہ ان ۲۳ لاکھ عورتوں کے کام سے غیر حاضری کے باعث اجرت حاصل نہ کرنے اور کیڑے مارادویات کے اثرات سے نمٹنے پر صحت پر خرچے کی مد میں ۷۶۵ ملین روپے کا خسارہ ہے۔

کیڑے مارادویات کے بڑھتے ہوئے استعمال کے باعث پورے معاشرہ پر اس کے سنگین منفی اثرات مرتب ہورہے ہیں کیونکہ ان سے نہ صرف انسانی صحت بلکہ قدرتی ذرائع، خوراک کا قدرتی نظام، پیداوار اور پالتو جانور بھی بری طرح متاثر ہورہے ہیں۔ پاکستان میں اگرچہ کیڑے مارادویات کے اثرات کا درست اور مکمل تجزیہ نہیں کیا گیا لیکن ایک اندازے کے مطابق اس سے ہونے والے نقصانات کی لاگت ۱۲ بلین روپے سالانہ بنتی ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس میں خوراک اور پانی کی آلودگی کی وجہ سے ہونے والے نقصانات پر آنے والے اخراجات کا تخمینہ کم لگایا گیا ہے خصوصاً دیہی علاقوں کے لحاظ سے۔ اسی طرح صحت کے حوالے سے اخراجات میں صرف صحت اور کام سے غیر حاضری کی صورت میں ہونے والے اخراجات شامل کیے جاتے ہیں جبکہ اس میں کینسر، بچوں میں پیدائشی نقائص اور دماغی امراض کے تخمینے بھی شامل نہیں۔

کیڑے مارادویات کے استعمال کے نقصانات وفوائد کا تجزیہ اور حل

جس طرح کیڑے مارادویات کے معاشی تجزیہ میں اس سے ہونے والے بیرونی نقصانات کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا اسی طرح اس کے استعمال سے ملکی معیشت کو پہنچنے والے فوائد کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے۔ کیڑے مارادویات سے ملکی معیشت کو اندازاً ۸۰۶۹ ملین روپے کا فائدہ ہے لیکن جب دیگر نقصانات اور مسائل کو اعداد وشمار اور تخمینوں کے بنیاد پر پرکھا جاتا ہے تو اس کے مطابق ملکی معیشت کو کیڑے مارادویات سے جس قدر فائدہ حاصل ہوتا ہے اسے باآسانی نظرانداز کیا جاسکتا ہے۔ یہ نتائج پاکستان میں کیڑے مارادویات کے استعمال کے جواز کے بارے میں شبہات کو جنم دیتے ہیں، یعنی کہ پاکستان میں کیڑے مارادویات کے استعمال کو اگر نظرانداز کردیا جائے تو اس سے ملکی معیشت کو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچے گا۔

تحقیق کے مطابق کیڑے مارادویات پر جو پالیسی مرتب کی گئی ہے وہ زیادہ سودمند ثابت نہیں ہوئی۔ آزاد تجارت کی پالیسی نے پاکستان میں کیڑے مارادویات کے استعمال اور درآمد، دونوں میں اضافہ کیا ہے۔ کیڑے مارادویات سے ہونے والے نقصان کا خمیازہ پورے معاشرے کو بھگتنا پڑرہا ہے جبکہ دوا بنانے والوں یا استعمال کرنے والوں پر اس نقصان کا نقدی بوجھ نہیں ڈالا جاتا۔ نتیجتاً دوا بنانے والے اس نقصان کو برداشت کرنے سے بری الزمہ ہوجاتے ہیں۔ اس بنیاد پر ملک میں کیڑے مارادویات کے لیے اصلاحات کا آغاز کیڑے مارادویات کی قیمتوں میں اضافے سے ہوسکتا ہے۔ درآمدی محصولات، رجسٹریشن کے لیے فیس میں اضافہ اور دوسرے ٹیکسوں کے نفاذ سے یہ مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے! اس کے علاوہ کسانوں کے لیے کیڑے مارادویات کے مربوط انتظام کے طریقوں سے آگہی اشد ضروری ہے تاکہ وہ پیداوار میں اضافے کو پائیدار طریقوں کی بنیاد پر کرسکیں۔

کیڑے مارادویات کے حوالے سے آزاد تجارتی اصولوں کی طرف جھکاؤ نے ملکی معیشت پر بوجھ بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ پاکستان میں کیڑے مار ادویات کے بارے میں اصلاحات کے لیے نقطہ آغاز کے طور پر سماج کو مجموعی طور پر ہونے والے نقصانات کو سامنے رکھنا چاہیے۔ آزاد منڈی کی پالیسی انسانی تخلیق ہے جو ناکام بھی ہوسکتی ہے۔ ترقی پذیر ممالک میں کیڑے مارادویات کے متعلق پالیسی کے لیے حکومت اور آزاد منڈی دونوں ذمہ دار ہیں۔ ان حالات میں ایک ایسی پالیسی مرتب کرنے کی ضرورت ہے جس میں ان کمزوریوں پر قابو پایا جائے۔ پائیدار زراعت کے حصول کے لیے کیڑے مارادویات کے مضر اثرات کے بارے میں معلومات عام کرنا اور کسانوں کی تربیت، کیڑے مارادویات کے مربوط انتظام (آئی پی ایم) اور قوانین پر سختی سے عملدرآمد ضروری ہے۔

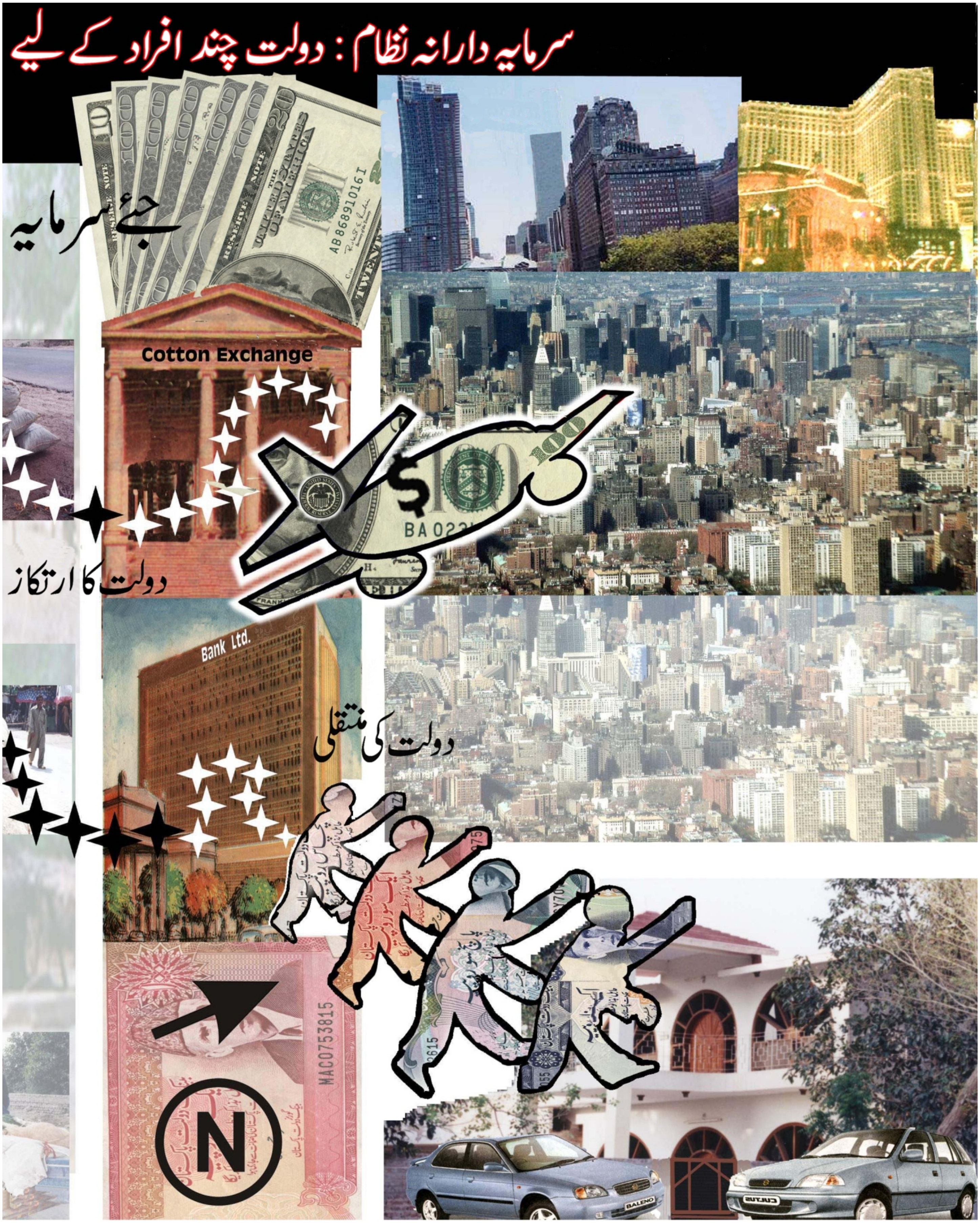
سرمایہ دارانہ نظام : دولت چند افراد کے لیے
جئے سرمایہ
Cotton Exchange
دولت کا ارتکاز
Bank Ltd.
دولت کی منتقلی
BALENO

جبکہ غربت و افلاس اکثریت کے لیے
دارانہ نظام !!!
وسائل کا نچوڑ
مزدور کا استحصال
مقامی آبادی پر ظلم و جبر
تخلیق: نصر اللہ وکلاچی

سندھ میں شکر سازی کی صنعت کا بحران: ہاریوں اور مزدوروں پر اثرات

خائستہ محمد سواتی

ملک کے دیگر حصوں کی طرح سندھ کے ہاریوں اور مزدوروں کو بھی وقتاً فوقتاً کئی حوالوں سے مختلف مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اس سال ایک اہم مسئلہ گنے کے کاشتکاروں اور شکر کے کارخانوں میں کام کرنے والوں مزدوروں کے لیے شکر کے کارخانوں کے نہ چلانے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔حکومت سندھ کے قانون کے تحت سندھ کے حدود میں واقع شکر کے کارخانوں کو یکم اکتوبر سے کام شروع کرنے کا پابند بنادیا گیا ہے لیکن اس سال ماہ نومبر کے اواخر تک صرف دو کارخانوں کے کھلنے کی اطلاع آئی ہے۔شکر سازی کی صنعت سے وابستہ سرمایہ داروں کا کہنا ہے کہ ان کے پاس گزشتہ سال کی پیداوار میں سے ۲۵ء۲ لاکھ ٹن چینی گوداموں میں ذخیرہ کی صورت میں موجود ہے۔ جب تک اس ذخیرہ شدہ چینی کا مناسب بندوبست نہ ہوجائے وہ کارخانہ نہیں کھولیں گے۔صوبائی حکومت نے کارخانوں کے مالکان کے خلاف قانونی نوٹس جاری کردیے ہیں۔اگرچہ وفاقی حکومت نے ذخیرہ شدہ شکر کی برآمد کی اجازت بھی دے دی ہے لیکن حکومتی اقدامات ابھی تک پوری طرح کارگر ثابت نہیں ہوئے۔ کارخانے داروں کے ترجمان نے حکومت کے احکامات کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا کہ کارخانے صرف اس وقت چلائے جائیں گے جب گنے کے نرخ منڈی میں چینی کی قیمت سے نہ منسلک کیے جائیں۔

سیری شوگر مل ٹنڈو محمد خان کے مزدور اپنے مطالبات کے حق میں اور کارخانے کی بندش کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کرتے ہوئے

حکومتی ماہرین کے مطابق اگر کارخانے دار حکومت کے مقرر کردہ نرخ ۴۳ روپے پر ۳۰ کیلوگرام گنا خریدتے ہیں تو ایک من گنے پر انکا منافع ۷۵ء۵ روپے تک ہوسکتا ہے۔

سندھ میں شکر کے ۲۷ کارخانے ہیں جس میں سے ۸ کارخانے داروں نے عید کے بعد کارخانے چلانے کا اشارہ کیا تھا جب کہ ۲۵ کارخانوں کے خلاف قانونی کاروائی کی جارہی ہے۔کارخانے داروں اور حکومت کی اس رسہ کشی کا اثر لاکھوں افراد پر پڑ رہا ہے۔کھیتوں میں گنے کی ۳۵۰ ملین من (۳۵ کروڑ من) فصل خراب ہورہی ہے۔ہر گزرتے دن کے ساتھ گنے کے سوکھنے سے اسکے وزن میں کمی واقع ہورہی ہے۔ چھوٹے کاشتکاروں کی تنظیم کے مطابق ۱۵ نومبر تک کارخانوں کی بندش اور پانی کی عدم دستیابی کے باعث ۱۴ ملین ٹن گنے کی فصل تباہ ہوئی جس سے چھوٹے کسان بری طرح متاثر ہورہے ہیں۔شکر سازی سے وابستہ سرمایہ داروں کا کہنا ہے کہ وہ گنا حکومت کے مقرر کردہ نرخ سے کم پر خریدیں گے، دوسری طرف کسانوں کا کہنا ہے کہ کارخانے داروں کی منہ مانگی قیمتوں سے ان کی فصل پر پیداواری لاگت بھی پوری نہیں ہوگی۔ کسانوں کا کہنا ہے کہ ہم فصل جلادیں گے لیکن کم قیمت پر ہرگز نہیں بیچیں گے۔

اس بحران کی وجہ سے گندم کے بروقت کاشت نہ ہونے کا خدشہ پیدا ہوگیا ہے۔گندم ایک اہم غذائی فصل کی حیثیت رکھتی ہے جس کا عوام کے تحفظ خوراک سے براہ راست تعلق ہے۔گندم کی بوائی میں تاخیر سے فصل کی نشوونما متاثر ہوسکتی ہے، جس سے پیداوار اور غذائیت میں کمی جیسے مسائل جنم لے سکتے ہیں۔اس بحران سے مزدور کئی شکلوں میں متاثر ہورہے ہیں۔ گنے کی فصل کی کٹائی کرنے والے مزدور کسان، باربرداری اور ٹرانسپورٹرز بھی پریشانی کے شکار ہیں۔کارخانے داروں نے پہلے سے جاری مزدوروں کی چھانٹی کا عمل مزید تیز کردیا ہے جبکہ روزانہ کی اجرت پر کام کرنے والے ۲۰،۰۰۰ مزدور بھی بیکار ہیں۔مل مالکان کی ان پالیسیوں کے خلاف مزدوروں میں بے چینی اپنے عروج پر ہے۔ٹنڈو محمد خان ضلع حیدر آباد میں واقع سیری شوگر مل کے مزدوروں نے حال ہی میں ایک بڑا احتجاجی جلوس نکالا۔ جلوس نے کارخانے سے لیکر ٹنڈو محمد خان شہر تک ۵ کیلومیٹر کا فاصلہ طے کیا۔مزدور نعرے لگارہے تھے ”مزدوروں کے حقوق بحال کرو“ اور ”شوگر ملیں چلاؤ“۔اس موقع پر موجود مزدور رہنما غنی خان نے بتایا کہ یہ سب کچھ آئی ایم ایف اور ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن جیسے اداروں کی عوام دشمن پالیسیوں کا نتیجہ ہے۔جن کا کہنا ہے کہ غیر ملکی سستی چینی کی دستیابی کی صورت میں مراعات کی کیا ضرورت ہے۔انہوں نے کہا کہ ڈبلیو ٹی او کا کہنا ہے کہ ہاریوں اور مزدوروں کو اتنے مراعات دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ان وجوہات کی وجہ سے مزدوروں کے حقوق چھینے جارہے ہیں۔انہیں کارخانوں میں مہیا رہائش سے محروم کرنے کے ساتھ ساتھ بچوں کی اسکولوں کی فیسوں میں من مانی اضافہ کیا جارہا ہے۔

پاکستانی معیشت میں پیدا ہونے والے بحران کے پیچھے عالمی بینک، ایشیائی ترقیاتی بینک اور آئی ایم ایف کے علاوہ ڈبلیو ٹی او جیسے ادارے شامل ہیں۔

انجمن مزارعین کی حق ملکیت کی جدوجہد

ولی حیدر

گزشتہ دو سال کے عرصہ سے اوکاڑہ سمیت پنجاب کے کئی اضلاع میں جاری انجمن مزارعین کی زمین کی حق ملکیت کے حصول کی خاطر چلائی جانے والی تحریک اب ایک نئے موڑ پر ہے۔تحریک کے حوالے سے مختلف قیاس آرائیاں بازگشت کررہی ہیں کہ مزارعین کی تحریک معدوم ہوگئی ہے، مزارعین کے مرکزی قائدین انتظامیہ کے ساتھ مل گئے ہیں، مزارعین مختلف گروپوں میں تقسیم ہوگئے ہیں۔

خوش قسمتی سے راقم کو کچھ وقت مزارعین کے ساتھ گزارنے کا موقع ملا۔ دوران گفتگو انتظامیہ کے مختلف شکلوں کے شدید ظلم وتشدد اور اذیت کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہمارے کھیت کا پانی بند کردیا جاتا ہے۔سرکاری اسکولوں کے اساتذہ کو دھمکیاں دی جارہی ہیں کہ پٹہ کی رقم ادا کرو بعض کو تو عارضی طور پر معطل کردیا گیا ہے۔ جو لوگ ملٹری ڈیری فارم اور دوسری جگہوں پر نوکری کرتے ہیں انہیں وہیں سے پکڑ لیا جاتا ہے۔ یہ تمام ہتھکنڈے مستقل بنیادوں پر جاری ہیں۔

ایک مزارعہ نے بتایا کہ رینجرز کے اہلکار روز ایک دو چکر لگاتے ہیں اور مختلف طرح کی دھمکیاں دیتے ہیں کچھ لوگ تو باہر بھی نہیں نکل رہے۔ ہم تو اپنے جانوروں کو بھی گھروں میں ہی چارہ دے رہے ہیں کیونکہ باہر خطرہ ہے چونکہ ہمارا چک (گاؤں) روڈ پر ہے اس لیے ہم پر سخت نظر ہے۔

انتظامیہ اب مزارعوں کو مختلف لالچ بھی دے رہی ہے رینجرز کا اہلکار جسے مقامی لوگ کرنل / بریگیڈیئر کہتے ہیں تمام گاؤں والوں کو ایک جگہ بلا کر مختلف طرح کے ترغیبات دیتا ہے کہ ہم یہاں ترقیاتی کام کروائیں گے یا آپ کے بچوں کے لیے پارک اور سڑکیں بنوائیں گے بس آپ لوگ پٹہ کی رقم ادا کردیں۔ آخر میں وہ یہ بات ضرور کہتا ہے کہ ایک بات تو طے ہے کہ آپ لوگوں کو مالکی نہیں ملنے والی۔

انتظامیہ نے سرگرم کارکنان کو کئی جعلی مقدمات میں ملوث کر کے ان کی گرفتاری کے لیے سرگرم عمل ہے لیکن انتظامیہ کی سب سے بڑی مجبوری یہ ہے کہ وہ گاؤں کے اندر جا کر سرگرم لوگوں کو گرفتار کرنے سے لاچار رہے کیونکہ عوامی مزاحمت خصوصاً عورتوں کی دلیرانہ رکاوٹوں نے انتظامیہ کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا ہے۔کیونکہ جب کبھی بھی رینجرز کے اہلکار کسی مزارع کو اس کے اپنے چک (گاؤں) سے پکڑنے آتے ہیں تو وہاں کی عورتیں یکجا ہوکر سرکاری اہلکاروں کے خلاف بھرپور مزاحمت کرتی ہے جس میں وہ ڈنڈا وغیرہ استعمال کرتی ہیں یہاں تک کہ وہ اپنی مزاحمت سے مطلوبہ شخص یا عورت کو بازیاب کرانے میں بالآخر کامیاب ہوجاتی ہیں۔اس کے بدلے انتظامیہ سرگرم افراد کو نقل وحمل کے دوران سرراہ گرفتار کرلیتے ہیں۔

علاقے کے مکینوں کے شناختی کارڈ چیک کیے جاتے ہیں اور ہر آنے جانے والے پر نگاہ رکھی جاتی ہے۔اس غیر اعلانیہ ناکہ بندی کے باوجود مزارعین پوری قوت کے ساتھ مزاحمت پر آمادہ ہیں۔ بظاہر حکومت نے بندوق کی نوک پر پٹہ کے معاہدے پر دستخط کروا چکی ہے مگر وہ لوگوں کے حوصلے کو شکست دینے میں کامیاب نظر نہیں آتی۔ان حالات کو دیکھتے ہوئے مجبوراً دستخط کرنے کے بعد مزارعین نے متبادل حکمت عملی کے طور پر معاہدے کے تحت پٹہ کی رقم ادا نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔مزارعین کے مطابق جس دن ہم رقم ادا کردیں گے یا کرنا شروع کردیں گے انتظامیہ مزید ہتھکنڈے اور مطالبہ پر اتر آئے گی، جسے ہم پورا نہیں کرسکتے اور اس طرح بالآخر ہمیں اپنی زمینوں سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

> سوسن بی بی جن کی عمر تقریباً ۶۰ سال ہے ایک باحوصلہ عورت ہیں۔سوسن بی بی کے شوہر کو تقریباً کچھ عرصہ قبل دن قبل گرفتار کرلیا گیا تھا کیونکہ وہ بھی پٹہ کی رقم دینے پر رضامند نہیں تھے۔سوسن بی بی کے بیٹے موجودہ تحریک کے انتہائی سرگرم رکن ہیں۔سوسن بی بی کی رحم کی اپیل پر انتظامیہ کا مطالبہ ہے کہ "بیٹا دو شوہر لو"۔ان تمام حالات کے باوجود اس بوڑھی عورت کا حوصلہ اور استقامت قابل دید ہے۔وہ کہتی ہیں میں مرنا پسند کروں گی مگر پٹہ کی رقم نہیں دوں گی چاہے میرے باقی بیٹوں کو بھی گرفتار لے۔سوسن بی بی نے بتایا کہ ایک دفعہ رینجرز کی بھاری نفری نے علاقے کو گھیرے میں لے لیا، اس کے ساتھ ہی ہم عورتیں بھی ایک جگہ پر جمع ہوگئے۔سوسن بی بی کے مطابق رینجرز کے اہلکار نے کہا کہ آج ان عورتوں کو سبق سکھائیں گے جو بہت لیڈر بنتی ہیں لیکن میں نے کہا "تم سبق سکھاؤ گے ہم تمہیں سبق سکھائیں گے"۔رینجرز نے سوسن بی بی کو دھکا دے کر اپنی گاڑی میں ڈال دیا لیکن ان کی بیٹی اور دوسری عورتوں نے مل کر بھرپور مزاحمت کی اور زبردستی ان کو گاڑی سے باہر نکالنے میں کامیاب ہوگئے۔

انجمن مزارعین کی تحریک بھی موجودہ نظام کے خلاف ایک منظّم جدوجہد کی ایک شکل ہے۔اس کی کامیابی کے لیے دوسرے شعبوں سے وابستہ افراد، گروہ اور پارٹیوں کو منظم ہونے کی ضرورت ہے تاکہ یہ ملکی سطح پر ایک منظم تحریک بن جائے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنے حقوق کے لیے جدوجہد کرتے ہوئے اساتذہ، ڈاکٹر، طالب علم، مزدور ٹریڈ یونین، سیاسی پارٹیاں اس تحریک کے ساتھ جڑیں اور اسے مستحکم کریں تاکہ ان کی جدوجہد بھی بھرپور انداز میں اثر انداز ہو اور ملکی سطح کی جدوجہد بالآخر عالمی جدوجہد کے تحریکوں کے ساتھ مل کر ایک انقلابی صورت اختیار کرجائے۔

دوسری عالمی کانفرنس برائے پائیدار ترقی

چیلنج رپورٹ

۲۶، اگست تا ۴، ستمبر ۲۰۰۲ تک جنوبی افریقہ کے شہر جوہانسبرگ میں عالمی کانفرنس برائے پائیدار ترقی (ڈبلیو ایس ایس ڈی) منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کے انعقاد کا بنیادی مقصد ۱۰ سال قبل منعقد ہونے والی ریو عالمی کانفرنس میں متعین مقاصد اور ان مقاصد کے حصول کی طرف کیے گئے اقدامات کا جائزہ لینا اور نئی حکمت عملیاں طے کرنا تھیں۔ اس کانفرنس میں ۱۰۰ سے زائد سربراہان مملکت کے علاوہ ۱۸۵ ملکوں سے آئے ہوئے تقریباً ۶۵,۰۰۰ مندوبین شریک ہوئے۔

تجزیہ نگار عالمی کانفرنس کو ایک ناکام کانفرنس قرار دے رہے ہیں اور اسی حوالے سے مختلف دلائل بھی پیش کر رہے ہیں، جن میں سب سے سخت تنقید بین الاقوامی کمپنیوں مثلاً شیل، میکڈونلڈز، نائیکی سمیت دیگر کمپنیوں کا عالمی کانفرنس میں بھرپور کردار ہے۔ ماضی میں ماحولیات کو شدید نقصان پہنچانے کی ذمہ دار قرار دیے جانے والی بین الاقوامی کمپنیاں اب ماحولیات کے بچاؤ اور پائیدار ترقی میں اپنا کردار ادا کرنے میں بظاہر پیش پیش نظر آتی ہیں۔

حالیہ عالمی کانفرنس میں حکومتی اور نجی شراکت داری پر کافی حد تک زور دیا گیا ہے اور اس سے بڑی امیدیں بھی وابستہ کی جارہی ہیں۔ اگرچہ یہ کانفرنس انسانی اور ماحولیاتی بہتری جیسے اقدامات کے تناظر میں منعقد کی گئی لیکن ان مقاصد کا حصول مشکل تر ہوگیا ہے کیونکہ کانفرنس کی تشکیل انہی قوتوں کے زیر اثر ہوئی، جو بڑھتی ہوئی غربت اور ماحولیاتی تباہی کے ذمہ دار ہیں۔ اس کا اندازہ کانفرنس کے پس منظر میں کام کرنے والی بین الاقوامی کمپنیاں، بینک اور تجارتی تنظیموں کی نمائندہ تنظیم ورلڈ بزنس کونسل اور اس کی تخلیق کردہ بزنس ایکشن برائے پائیدار ترقی، جو کہ عالمی چیمبر آف کامرس کے اشتراک سے قیام پزیر ہوا، کا بھرپور کردار ہے۔ ورلڈ بزنس کونسل میں ۳۰ ممالک کے ۲۰ شعبوں سے تعلق رکھنے والی ۱۶۰ بین الاقوامی کمپنیاں شامل ہیں۔ اس تنظیم کے مطابق ''۱۹۹۲ء ریو کانفرنس میں تاجر برادری کے تجاویز کو اہمیت دی گئی تھی۔ اسی طرح ہم چاہتے ہیں کہ آج دس سال بعد بھی تاجر برادری کے نقطہ نظر کو نہ صرف سنا جائے بلکہ اسے سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس پر عمل بھی کیا جائے''[۱] پائیدار ترقی کی کانفرنس کے انعقاد سے ایک سال قبل بزنس ایکشن برائے پائیدار ترقی سے تعلق رکھنے والے ۱۴۰ کمپنیوں کے سربراہ پیرس میں جمع ہوئے۔ انہوں نے کانفرنس کی تشکیل اور ایجنڈا طے کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

دنیا میں ماحولیاتی تباہ کاری اور انسانوں کو درپیش مسائل مثلاً زمین، پانی، ہوا، پہاڑ کو درپیش خطرات اور غربت و افلاس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بھوک اور امراض انہی بڑی بین الاقوامی کمپنیوں کی پیدا کردہ ہیں جو زیادہ سے زیادہ منافع کمانے کے خود غرضانہ خواہش میں دنیا کو انسان سمیت تمام جانداروں کے لیے پرخطر مقام بنانے پر تلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مثلاً یونین کاربائیڈ بھوپال میں ماحولیاتی تباہ کاری، شیل نائیجریا میں زمینوں کو آلودہ کرنے اور مائر کی ایک زہریلی دوا کے باعث پیرو میں ۲۴ بچوں کی ہلاکت کی ذمہ دار ہے۔

پائیدار ترقی کا بیڑا اٹھانے والے ادارے اقوام متحدہ کی تمام تر توجہ سرکاری اور نجی شراکت داری پر ہے جس کا مظاہرہ حالیہ عالمی کانفرنس میں بھی دیکھنے میں آیا۔ کانفرنس کے دوران اقوام متحدہ نے ۲۰۰ سے زیادہ سرکاری رنجی شراکت داری کے معاہدوں کو منظور کیا اور مونیکا لائن، جو کہ اقوام متحدہ میں سرکاری رنجی شراکت داری کی ذمہ دار ہیں، نے امید ظاہر کی ہے کہ ان کی تعداد میں مزید اضافہ ہوگا۔ یہ معاہدے کارپوریشنوں، یونیورسٹیوں اور این جی اوز کے ساتھ طے کیے گئے ہیں تاکہ معاشی ترقی کے ساتھ ساتھ ماحولیاتی بچاؤ کو بھی ممکن بنایا جاسکے۔ محسوس یہ ہورہا ہے کہ غریب ممالک کے ماحولیاتی مسائل اور پائیدار ترقی کے حصول کا دارومدار صرف اور صرف نجی اور سرکاری شراکت داری پر ہے۔

سرمایہ دارانہ طریقہ معیشت کے ذریعہ ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جارہا ہے جہاں باہمی رشتہ صرف چیز پیدا کرنے اور اسے استعمال کرنے والے کے گرد سمٹ کررہ جائے۔ سرمایہ دارانہ طریقہ معیشت میں ایجادات ضرورت کی بنیاد پر نہیں بلکہ ایجادات کی بنیاد پر ضرورت کو محسوس کرایا جاتا ہے۔ میڈیا اور دوسرے ذرائع سے ان ایجادات کو عوام پر زبردستی ٹھونسا جارہا ہے۔ اس مارکیٹ یا منڈی کی قوی حیثیت ہی کی وجہ سے ہی عالمی ماحولیاتی بحران وجود میں آیا ہے۔

بڑی بڑی کمپنیاں لاکھوں، ہزاروں ڈالرز عالمی کانفرنس کے حوالے سے صرف اسی لیے خرچ کررہی ہیں تاکہ اپنا اثر ورسوخ استعمال کرسکیں اور پھر اثر ورسوخ کے بل بوتے پر اپنے مفادات کا تحفظ کرسکیں۔ ایک ماحولیاتی کارکن کے مطابق یہ بالکل ویسے ہی ہے جیسے کسی مجرم کو مجرمانہ قانونی مسودہ مرتب کرنے کی ذمہ داری سونپ دی جائے[۲]۔

مندرجہ بالا حالات دراصل ماحولیات اور پائیدار ترقی میں مزید رکاوٹ کا باعث بن سکتے ہیں کیونکہ دنیا میں غربت کے خاتمہ اور آلودگی سے پاک ماحول کے لیے درکار وسائل پر بڑی بڑی بین الاقوامی کمپنیوں ہی کا قبضہ ہے۔

عالمی سطح پر انسان اور ماحول کو درپیش مسائل کی کوئی بھی کوشش اسی وقت کامیابی سے ہمکنار ہوسکتی ہے، جب وسائل کی منصفانہ تقسیم کے علاوہ مسائل کی بنیادی وجوہات کی نشاندہی جیسے بنیادی سوالات کے جوابات تلاش نہ کیے جائیں۔ موجودہ استحصالی نظام اور اس کے اداروں مثلاً اقوام متحدہ، ڈبلیو ٹی او، آئی ایم ایف، ورلڈ بینک اور بین الاقوامی کمپنیوں کی موجودگی میں انسان اور ماحول کی بہتری ناممکن ہے۔ اس کے لیے ایک انقلابی حکمت عملی کی ضرورت ہے تاکہ ایک نئے نظام کی راہ ہموار کی جاسکے۔

حوالاجات:
۱۔ www.wbcsd.ch/summit/why.htm
۲۔ عفت ملک، ٹاسک بی فور جوہانسبرگ، ڈان، ۴، ستمبر ۲۰۰۲

بات تو سچ ہے مگر ......

مونسانٹو کا پاکستان میں بی ٹی کاٹن متعارف کرانے کا منصوبہ

مونسانٹو پاکستان نے ملک میں بی ٹی کاٹن (بی ٹی کپاس) متعارف کروانے کا منصوبہ تیار کرلیا ہے۔ اس منصوبہ پر عمل درآمد، اس کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کے بعد کیا جائے گا۔ اسی لیے کمپنی کی خواہش ہے کہ اسے وزارت سائنس اس سلسلے میں آگے بڑھنے کی اجازت دے۔

کمپنی کے ایک اہلکار کے مطابق "بی ٹی کپاس کے متعارف کروانے کے بعد پیداوار میں ۳۲ سے ۸۰ فیصد اضافہ ہوگا۔ کیڑے مار ادویات کے کم استعمال کی وجہ سے کسان کو ۴ ہزار سے ۵ ہزار فی ایکڑ فائدہ ہوگا"۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت کسان کپاس کی فصل پر ۹ سے ۱۰ مرتبہ کیمیائی کیڑے مار ادویات کا چھڑکاؤ کرتے ہیں لیکن ایک مرتبہ جب یہ ٹیکنالوجی ملک میں بی ٹی کپاس کی صورت میں متعارف کروادی جائے گی، تو کسان کو اس قدر زیادہ کیڑے مار ادویات استعمال کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

مونسانٹو کے اہلکار کے مطابق کپاس کی یہ قسم بھارت سمیت دنیا کے آٹھ ممالک میں متعارف کروائی جا چکی ہے جبکہ پاکستان میں اس کی متعارف کروانے کی کوششیں جاری ہیں۔ بھارت کے علاوہ دیگر ممالک میں امریکہ، چین، میکسیکو، جنوبی افریقہ، آسٹریلیا، ارجنٹینا اور انڈونیشیاء شامل ہیں۔

دی نیوز، ۵ ستمبر ۲۰۰۲

بی ٹی کاٹن: تحقیق نے مونسانٹو کے داعووں کا پول کھول دیا

ایک طرف جب سرمایہ کاری بورڈ ملک میں کارپوریٹ فارمنگ کا منصوبہ بنا رہا ہے جس کے تحت ملک میں تجارتی کمپنیوں کی زیادہ پیداواری ٹیکنالوجی اور اہم نقد آور فصلوں کے لیے جینیاتی بیج متعارف کروائے جائیں گے تو دوسری طرف ماحولیات کے لیے سرگرم بین الاقوامی ادارے گرین پیس نے واضح طور پر کہا ہے کہ زیادہ پیداواری طریقہ کاشت کاری ماحولیات کے لیے تباہ کن ہے۔

ایک حالیہ رپورٹ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ چین میں جینیاتی انجینیئرنگ سے تیار کردہ بیج بی ٹی کپاس سے پیدا ہونے والی فصل سے ماحولیاتی لحاظ سے منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ چین میں جینیاتی کپاس سے ۵ سال کی کاشت کے بعد، یہ ثابت ہوا ہے کہ بی ٹی کپاس کی اقسام سے تعلق رکھنے والے بیج سے آئندہ ۸ سے ۱۰ سال بعد بی ٹی کپاس میں جینیاتی طور پر ڈالا گیا زہریلا مواد کا اثر ختم ہوجائے گا۔ چین میں بی ٹی کپاس بڑے پیمانے پر کاشت کی جا رہی ہے۔

چین کی ۴ ریاستوں کے سائنسی اداروں کی لیبارٹریوں اور کھیتوں میں نگرانی کے بعد تصدیق ہوتی ہے کہ:

- بی ٹی کپاس کے خلاف مزاحمت ان کیڑوں نے پیدا کی ہے جو اس کے خاص نشانہ ہونے چاہیے تھے یعنی کپاس کے ڈوڈے کو نقصان پہنچانے والی سنڈی (کاٹن بول ورم)۔ ان سنڈیوں کی دو نسلوں کو مسلسل بی ٹی کپاس کے پتے کھلانے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ سنڈیوں کو زہر سے نقصان پہنچنے میں ۳۰ فیصد کمی ہوئی ہے اس طرح بول ورم کی مزاحمت ۴۰ نسلوں کے بعد ایک ہزار گنا بڑھ جاتی ہے۔
- بول ورم کے لیے نقصاندہ قدرتی کیڑوں میں زبردست کمی واقع ہوئی۔
- ثانوی یا دوسرے درجے کے کیڑوں میں اضافہ: کپاس کو نقصان پہنچانے والے چھوٹے کیڑے، کپاس کی مکڑی اور اس قسم کے دیگر کیڑوں کی آبادی بڑھی ہے بعض کھیتوں میں تو انہوں نے بول ورم کیڑے کو تعداد میں پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ اوپر بیان کی گئی وجوہات کے بناء پر کسانوں کو مجبوراً جینیاتی فصلوں پر بھی کیڑے مار ادویات استعمال کرنا پڑ رہی ہیں۔

جینیاتی کپاس کی یہ قسم چین میں مونسانٹو نامی کمپنی نے ۱۹۹۷ میں متعارف کروائی تھی۔ اس کی تشہیر کیڑوں کے مسئلے سے نمٹنے کے لیے ایک کرشمہ کے طور پر کی گئی۔ اس وقت سے لیکر ۲۰۰۱ تک اس کے زیر کاشت رقبہ ۱.۵ ملین ہیکٹر تک پہنچا جو کہ کپاس کے مجموعی رقبے کا ۳۵ فیصد ہے۔ مونسانٹو کی بی ٹی کپاس چین میں جینیاتی انجینیئرنگ کے ذریعے کپاس اگانے کے دو تہائی حصہ کی ذمہ دار ہے۔

دی نیوز، ۱۸، اگست ۲۰۰۲

مونسانٹو دنیا میں بیج اور کیمیائی کیڑے مار ادویات تیار کرنے والی ایک بہت بڑی امریکی کمپنی ہے جو اس وقت شدید بحران کا شکار ہے۔ کمپنی کو بچانے کے لیے امریکی حکومت سرگرم ہوگئی ہے۔ ایک طرف کمپنی کو فارمسیا نامی کمپنی سے علیحدہ کیا گیا ہے اور دوسری طرف اسے شدید مالی بحران کا سامنا ہے۔ کمپنی کو یورپی عوام کی طرف سے انتہائی شدید مخالفت کا سامنا بھی کرنا پڑا ہے اور اسی طرح کی مزاحمت کمپنی کو برازیل میں بھی اٹھانی پڑی ہے۔ اب چین، امریکہ اور فرانس میں کیے جانے والے تحقیقات سے جینیاتی فصلوں کے بارے میں مونسانٹو جیسی کمپنیوں کے دعوؤں کی قلعی کھلنے کے بعد کمپنی کے مسائل میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ ان حالات میں کمپنی نے تیسری دنیا کے مختلف ممالک کا رخ کیا ہے اور اسکی بھرپور کوشش ہے کہ کسی طرح ان ممالک میں اپنی فروخت کو بڑھا کر اس خلاء کو پر کیا جائے جو دنیا کے دیگر حصوں خصوصاً یورپ اور امریکہ میں پیدا ہونے والی مزاحمت سے پیدا ہوا ہے۔

خبروں سے ظاہر ہوگیا ہے کہ امریکی حکومت اور ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن (ڈبلیو ٹی او) جیسے ادارے کمپنی کی پشت پناہی پر کمربستہ ہیں۔ بھارتی حکومت پہلے ہی

امریکی دباؤ کے تحت کمپنی کے آگے گھٹنے ٹیک چکی ہے۔ان حالات میں پاکستان جیسے ملک کے فوجی اور غیر فوجی حکمرانوں کی طرف سے کسی مزاحمت کا امکان بہت کم رہ جاتا ہے۔اب مونسانٹو پاکستان میں بھی اپنے زہریلے بیج کو متعارف کروانے کے لیے سرکاری اجازت حاصل کرنے میں مصروف ہے۔اس سے ایک طرف غریب کسان بے آسرا ہوجائیں گے اور دوسری طرف قوم کو ماحولیاتی تباہی کا سامنا کرنا پڑیگا۔مونسانٹو کمپنی جن دعوؤں کے ساتھ بی ٹی کاٹن کو متعارف کروانے کی کوشش کررہی ہے اس میں کوئی حقیقت نہیں۔حکومتی حلقوں کے ساتھ ساتھ کسان، مزدور، ماحولیاتی، سماجی تنظیمیں اور سیاسی جماعتوں کی سطح پر مل کر اس تباہی کے منصوبے کی روک تھام کی ضرورت ہے اور یہ تب ہی ممکن ہے جب ان سنگین مسائل کی آگہی عام عوام کو ہو۔

کارپوریٹ فارمنگ: غیرملکی کمپنیوں کے لیے مراعات کا اعلان

حکومت نے حال ہی میں اعلان کردہ کارپوریٹ فارمنگ اسکیم کے لیے نئے مزدور قوانین بنانے کا اعلان کیا ہے۔کارپوریٹ فارمنگ اسکیم کے تحت (الف) زیادہ سے زیادہ زمین لینے پر پابندی کا خاتمہ (ب) کوئی بھی غیر ملکی کمپنی کسی مقامی کمپنی کے ساتھ مل کر ۱۹۸۴ کے جوائنٹ اسٹاک کمپنی ایکٹ کے تحت رجسٹر ہوسکتی ہے جس میں غیر ملکی حصہ ۴۰ فیصد تک ہوسکتا ہے (ج) صوبائی حکومتوں کے پاس زرعی ٹیکس اکھٹا کرنے کا اختیار ہوگا۔

کراچی میں گورنر سندھ کی سربراہی میں منعقد ہونے والے اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ:

۱۔ حکومت پنجاب کی پیروی کرتے ہوئے، سندھ حکومت نے بھی زرعی کمپنیوں کے لیے زمین کی منتقلی پر اسٹامپ ڈیوٹی اور رجسٹریشن فیس کا خاتمہ کردیا۔

۲۔ پٹہ (لیز) کا عرصہ ۵۰ سال ہوگا جس میں مزید ۴۹ سال کا اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ متعلقہ محکموں کی طرف سے عائد کردہ نرخ حقیقت پسندانہ اور مقابلہ کے رجحان کو مدنظر رکھتے ہوئے مقرر کرنے ہوں گے تاکہ سرمایہ کاروں کو راغب کیا جاسکے۔محکمہ زراعت کی طرف سے پٹہ کی زمین پر ۲۰ فیصد سالانہ کے حساب سے رقم بڑھانے کی تجویز کو مسترد کرتے ہوئے ۵۰ سال بعد ۱۰۰۰ فیصد سے زائد اضافہ کو زیرغور لایا گیا۔

۴۔ زرعی ترقیاتی بینک سے کہا گیا ہے کہ وہ پیکیج تیار کرے جس میں کارپوریٹ فارمنگ اسکیم کو ایسے سرمایہ کاروں کے سامنے پیش کیا جاسکے جن کے متعلق یہ گمان ہو کہ وہ اس طرف متوجہ ہوں گے۔

۵۔ صوبہ سندھ کا محکمہ زراعت ایک ایسا تعارفی کتابچہ تیار کرے گا جس میں اس پیکیج کا (الف) نقشہ (ب) علاقہ کی فصلوں کا نمونہ (ج) بنیادی ڈھانچہ کی موجودگی (د) پٹے کی زمین کے نرخ کی رقم اور (ذ) زمین حاصل کرنے کا طریقہ کار اور عرصہ وغیرہ شامل ہو۔حکومت سندھ، سرمایہ کاری بورڈ کے ساتھ مل کر اس اسکیم کے لیے متعلقہ افراد کو راغب کرنے کے لیے اشتہارات، سیمینارز اور تجارتی کونسلرز کی طرف توجہ دے گی۔

دی نیوز، ۲، جولائی ۲۰۰۲

کراچی میں زرعی ایکسپورٹ پروسسنگ زون کا قیام

سندھ کے وزیر خزانہ نے اس امید کا اظہار کیا ہے کہ کراچی میں زرعی ایکسپورٹ پروسسنگ زون کے قیام سے زرعی برآمدات میں ٦٠٠ ملین ڈالرز تک اضافہ ہوگا۔وزیر خزانہ نے کہا کہ اس سے ملکی زراعت میں انقلاب برپا ہوگا۔انہوں نے کہا کہ ۵۰ ایکڑ رقبہ پر واقع زرعی ایکسپورٹ پروسسنگ زون کی تعمیر پر ۱۹۰ ملین روپے خرچ ہوں گے۔انہوں نے کہا کہ دوسرے ممالک کم از کم ۴۵ بلین ڈالرز کی خوراک کی اشیاء برآمد کرتے ہیں جبکہ پاکستان صرف ۱۰۰ ملین روپے کی اشیاء برآمد کرتا ہے۔ملک میں مجموعی طور پر سات ملین ٹن کی زرعی اشیاء پیدا ہوتی ہیں جس میں سے ۳ ملین ٹن جدید سہولتوں کی کمی کے باعث ضائع ہوجاتی ہے۔اس موقع پر موجود سیکریٹری زراعت نے کہا کہ ہر ضلع میں ۱۰ ایکڑ زمین پر ایک یونٹ بنایا جائے گا جو کراچی میں واقع زون کے حصے کے طور پر کام کریگا۔زرعی پروسسنگ زون میں برآمد کنندگان کے لیے سرد خانے، درجہ بندی کے علاوہ پیکیجنگ کی دیگر سہولتیں زون کے اندر ہی کاغذی کاروائی مثلاً محصولات وغیرہ کی سہولیات فراہم کی جائیں گی۔

دی نیوز، ۲۳، اگست ۲۰۰۲

تیمر کے جنگلات کا خاتمہ: بیروزگاری اور ماحولیاتی تباہی کا امکان

پانی کی عدم دستیابی کے باعث سندھ کے ساحلی پٹی میں تیمر کے جنگلات تیزی سے ختم ہورہے ہیں۔تیمر کے جنگلات خاتمے کے ساتھ ہی ماہی گیر اور اونٹ کے ریوڑ کے رکھوالے مجبوراً روزی کی تلاش میں دوسرے علاقوں کا رخ کررہے ہیں۔گزشتہ چار سال سے دریائے سندھ میں کوٹری بیراج کے نیچے دریا کے بہنے کے رخ پر پانی نہ چھوڑنے کے باعث سندھ کا ڈیلٹا تباہی کے دھانے پر پہنچ گیا ہے۔اس علاقے کے دورے اور رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ دریائے سندھ کا ڈیلٹا جو کہ ٦ لاکھ ہیکٹر کے وسیع و عریض رقبے پر پھیلا ہوا ہے، ۱۳۵,۰۰۰ لوگوں کو روزی فراہم کرنے میں مدد دیتا ہے۔یہ افراد اس ساحلی پٹی میں ماہی گیر یا چرواہے کے طور پر کام کرتے ہیں۔اس کے علاوہ تیمر کے جنگلات جلانے کی لکڑی کا بھی سب سے اہم ذریعہ ہیں۔

ایک تحقیق کے مطابق ٦,۰۰۰ اونٹ اور ۳,۲۰۰ بھینسیں اس ماحول سے خوراک حاصل کرتے ہیں۔۱۹۹۸ کے دوران ضلع ٹھٹھہ کے علاقے میں واقع ساحلی پٹی سے جانور ۴۳.۳ ملین روپے کی مالیت کے برابر ۷.٦ ملین کیلوگرام پتے اور ۱۹.۵ ملین روپے کی مالیت کے برابر ۹.۵ ملین کیلوگرام گھاس چارے کے طور پر استعمال کرتے تھے۔علاقے کے ماہی گیروں نے مچھلی پکڑنے والے بڑے ماہی گیر ٹرالرز پر الزام عائد کیا ہے کہ ان کے ممنوعہ بڑے بڑے آہنی جال استعمال کرنے کے باعث ان کی روزی چھینی جارہی ہے۔

ڈان، ۱۲، اگست ۲۰۰۲

حکومت ملک کے عوام اور ماحولیاتی تباہی کو مکمل طور پر نظر انداز کرنے پر تلی ہوئی ہے۔

کارپوریٹ فارمنگ، جدید سرمایہ دارانہ زراعت کی ایک شکل ہے اور کراچی میں زرعی ایکسپورٹ پروسسنگ زون کا قیام اس کا ایک حصہ ہے۔ حکومت ملک کے ۹۳ فیصد چھوٹے کاشتکاروں کے بجائے بڑی بڑی بین الاقوامی کمپنیوں کو ہر قسم کی سہولتیں فراہم کر کے غریب دیہی آبادی کو رزق سے محروم کرنے کے درپے ہے۔ حکومت یہ تمام اقدامات عالمی بینک، آئی ایم ایف اور ایشیائی ترقیاتی بینک کے علاوہ ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن کے معاہدوں کی روشنی اور دباؤ میں کر رہی ہے۔

کارپوریٹ فارمنگ کا اجراء اور اس سے جڑے ہوئے دوسری زرعی پالیسیاں دراصل مقامی ہاریوں اور کسانوں سے ان کی صدیوں پرانی زمین، جن پر وہ کئی نسلوں سے کھیتی باڑی کر رہے ہیں، کو ہتھیانا ہے۔ یہ تمام پالیسیاں بھوک و افلاس میں گھری ہوئی قوم کو مزید فاقہ کشی سے دوچار کرنے کی ایک سازش ہے۔ صرف پرزور عوامی ردعمل سے ہی ان عوام دشمن پالیسیوں سے چھٹکارہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

غازی بروتھا پروجیکٹ کے خلاف احتجاج

غازی بروتھا پروجیکٹ کے متاثرین سے تعلق رکھنے والی عورتوں اور بچوں نے اسلام آباد میں عالمی بینک کے دفتر کے باہر دھرنا دیکر احتجاجی مظاہرہ کیا۔ عورتوں نے ایک حکومتی ادارے نیب کی جانب سے ہونیوالی بدسلوکی کی یادداشت بھی عالمی بینک کے حوالے کی۔ انہوں نے احتجاجی بینرز اٹھا رکھے تھے جن پر تحریر تھا ''غازی بروتھا پروجیکٹ کے متاثرین کے خلاف ناانصافی بند کی جائے''، ''ہماری زمینیں واپس کرو۔ اپنے پیسے واپس لے لو'' اور ''واپڈا، عالمی بینک اور ایشیائی ترقیاتی بینک شرم کرو، شرم کرو'' کے علاوہ ''عالمی بینک اور ایشیائی ترقیاتی بینک آبادکاری اور ماحولیاتی پالیسیوں پر اپنے اصولوں کی خلاف ورزی کر رہے ہیں''۔

ڈان، یکم، اگست ۲۰۰۲

رخ زمانہ......

جنوبی افریقہ کا جینیاتی خوراک قبول کرنے سے انکار

جنوبی افریقہ کے خطے کے نصف ممالک کو قحط کا سامنا ہے۔ ان ممالک نے امریکہ سے آنے والی خوراک کی امداد اس خدشہ کی بنیاد پر قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ یہ خوراک جینیاتی طور پر تیار کردہ ہے مثلاً جینیاتی طور پر پیدا کردہ مکئی سے صحت کے سنگین مسائل پیدا ہوسکتے ہیں اور اس سے ان کی برآمدات کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

اقوام متحدہ کے ادارے عالمی خوراک پروگرام کے سربراہ نے کہا ہے کہ موزمبیق، زیمبیا اور زمبابوے نے پیلے قسم کی مکئی کی فراہمی پر تشویش ظاہر کی ہے جس کی بڑی تعداد امریکہ سے آتی ہے۔ سب سے شدید اعتراض زیمبیا کے صدر کی طرف سے آیا ہے انہوں نے کہا ''اپنے لوگوں کو دینے سے پہلے ہمیں اس مکئی کی جانچ ضرور کرنی ہے......ہم زہریلی خوراک کھانے پر بھوک سے مرنے کو ترجیح دیں گے''۔

عالمی ادارہ برائے خوراک کے سربراہ نے کہا ہے کہ امدادی خوراک حاصل کرنے والے ممالک نے سوال کیا ہے کہ آیا اس خوراک میں صحت کے لیے خطرہ موجود ہے؟ اور ان ممالک نے یہ بھی خدشہ ظاہر کیا ہے کہ اس درآمد شدہ مکئی سے فصل بھی کاشت کی جاسکتی ہے اور اس کے زرگل ہماری فصلوں کو آلودہ کر سکتے ہیں۔ اس طرح جانوروں کا ان فصلوں کو کھانے کی صورت میں خوراک کے لیے گوشت بھی متاثر ہوسکتا ہے۔ ایک اجلاس میں زیمبیا کے وزیر زراعت نے بین الاقوامی امدادی اداروں پر کئی سالوں سے ہونے والے دھوکہ دہی کا الزام بھی عائد کیا۔

ڈان، ۱۷، اگست ۲۰۰۲

بین الاقوامی کمپنی کوکا کولا کے خلاف عوامی دھرنا اور احتجاج

کوکا کولا کمپنی کے خلاف بھارت کے صوبہ کیرالہ میں ۲۲، اپریل سے اس کے کارخانے کے باہر دھرنا جاری ہے۔ کوکا کولا کا کارخانہ ایک چشمے سے ۵ء۱ ملین لیٹر پانی یومیہ خرچ کرتی ہے جس سے یہ چشمہ دو سال میں خشک ہوگیا ہے۔ کمپنی نے پانی کو اس قدر زہریلا کر دیا کہ اسے پینے کے علاوہ نہانے اور کپڑے دھونے کے لیے بھی استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ دھرنا دینے والوں کا مطالبہ ہے کہ مشروبات کی عالمی کمپنی ماحول کو دوبارہ درست کرے، تلافی کی رقم ادا کرے، کارخانہ بند کرے اور ملک چھوڑ دے۔ کوکا کولا کے دوسرے کارخانوں نے بھی اسی قسم کے مسائل کو جنم دیا ہے۔ احتجاجی مظاہرین نے حکومت اور سیاسی پارٹیوں پر بین الاقوامی کمپنیوں کے ہاتھوں بکنے کا الزام عائد کیا ہے۔

ڈان، ۱۱، ستمبر ۲۰۰۲

تحقیق نے جینیاتی جڑی بوٹی کے طاقتور ہونے کی تصدیق کردی

جینیاتی فصلوں میں پائی جانے والی فالتو جڑی بوٹیاں فصلوں کے ساتھ ملنے کے بعد پہلے سے زیادہ طاقتور ہوجاتی ہیں۔اس سے یہ خدشہ پیدا ہوگیا ہے کہ اسے کنٹرول کرنا ناممکن ہوسکتا ہے۔ یہ مسئلہ امریکہ اور فرانس میں دو الگ الگ تحقیقات کے بعد سامنے آئی ہے۔امریکہ میں محققین کی ایک ٹیم نے سورج مکھی اور دوسری ٹیم نے فرانس میں چقندر سے یکساں نتائج برآمد کیے ہیں۔ان دو الگ الگ ہونے والی تحقیقات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دو فصلوں میں پائی جانیوالی فالتو جڑی بوٹیوں نے جینیاتی خوراک کی فصلوں سے بہت جلد اور آسانی کے ساتھ جینیاتی مواد کا تبادلہ کیا ہے۔

ڈان،۱۶،اگست ۲۰۰۲

مونسانٹو کو یورپ میں منہ کی کھانی پڑی

امریکی کارپوریشن مونسانٹو کو یورپ میں جینیاتی فصلوں کی پیداوار پر وسیع پیمانے پر مخالفت کا سامنا ہے۔شدید مخالفت کی وجہ سے کمپنی کو تسلیم کرنا پڑا کہ اسے یورپ میں جینیاتی اشیاء کی فروخت کی اجازت حاصل کرنے کے لیے کم از کم تین سال کی مزید ضرورت ہوگی۔

جینیاتی فصلوں کے خلاف چلائی جانے والی مہم پر چراغ پا کمپنی نے کہا کہ اسے اندازہ ہے کہ ۲۰۰۵ تک یورپ میں اس حوالے سے آگے پیش رفت مشکل ہے۔ یورپ میں ۱۹۹۸ سے نئی جینیاتی فصلوں کی اجازت پر باقاعدہ پابندی عائد ہے۔اس کی وجہ عوامی سطح پر پایا جانے والا یہ خوف ہے کہ اس سے صحت کو خطرہ ہوسکتا ہے۔

مونسانٹو کو برازیل میں ایسی ہی ناکامی کی امید ہے۔ برازیل سویابین اگانے والا ایک اہم ملک ہے لیکن اس نے بھی امریکی دباؤ کے باوجود ملک میں ۲۰۰۵ تک جینیاتی فصلوں کی کاشت پر پابندی عائد کررکھی ہے۔ برطانوی وزراء نے کہا کہ ان پر امریکی حکومت اور بائیوٹیک انڈسٹری کی طرف سے شدید دباؤ پڑا کہ جینیاتی مصنوعات کو قبول کرلیں۔بی بی سی ریڈیو پر برطانوی وزیر دیہات نے کہا کہ ہم پر بہت بڑا بین الاقوامی دباؤ ہے کہ ہم کمپنیوں کی تیار کردہ جینیاتی بیجوں اور فصلوں کی کاشت کی اجازت دیں۔ یہ کمپنیاں (امریکہ) جیسی حکومتوں اور ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن کے ذریعے یورپی یونین پر دباؤ ڈال رہی ہیں۔ برطانوی وزیر ماحولیات نے کہا ہے کہ برطانیہ،امریکی دباؤ کی وجہ سے جینیاتی فصلوں کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوگا۔

برطانیہ جینیاتی طور پر تیار کردہ تیل نکالنے والے بیج کی ایک قسم کی ملکی سطح پر تین سالہ آزمائشی کاشت کروا رہا ہے۔یہ بیج ایونٹس کمپنی نے فراہم کیے ہیں،جو بائر نامی کمپنی کا حصہ ہے۔یہ آزمائشی کاشت حکومت اور جینیاتی بیج کی صنعت کے درمیان ایک معاہدے کے تحت ہے جس کا مقصد جینیاتی بیج کے ماحولیاتی اثرات کو پرکھنا ہے تاکہ عوام کو اطمنان دلایا جاسکے۔لیکن پچھلے دنوں اس انکشاف کے بعد کہ آزمائشی کاشت غیر ممنوعہ جینیاتی بیج سے آلودہ ہیں اور اس میں اینٹی بائیوٹیک جینز پائی جاتی ہیں،اس کے مخالفین کو چپ کرانے میں بہت کم معاون ہوسکتی ہے۔مخالفین اب آزمائشی کاشت کو فوری طور پر روکنے کا مطالبہ کررہے ہیں۔اگرچہ جینیاتی فصلوں کی تجارتی بنیادوں پر کاشت کی اجازت یورپی یونین کے اختیار میں ہے لیکن فرانس اور یونان جیسے ممالک میں اس کے خلاف عوامی مزاحمت انتہائی زیادہ ہے۔ جینیاتی فصلوں پر یورپ میں پابندی کے جواب میں امریکہ نے یورپ کے خلاف اس وقت تک تجارتی جنگ کی دھمکی دی ہے جب تک مونسانٹو جیسی کمپنیوں کو یورپ میں جینیاتی اناج اور جینیاتی بیج فروخت کی اجازت نہ دی جائے۔

جینیاتی فصلوں کا زیر کاشت رقبہ ۱۹۹۶ میں ۷ء۱ملین ہیکٹر تھا جو ۲۰۰۱ میں بڑھ کر ۵۲ء۶ ملین ہیکٹر ہوگیا۔اس میں سے دو تہائی رقبہ مونسانٹو کے سویابین کے جینیاتی بیج سے کاشت کیا جارہا ہے۔مونسانٹو اس وقت شدید مالیاتی دباؤ کا شکار ہے۔کمپنی جینیاتی خوراک پر شکوک وشبہات کے شکار ممالک کو راضی کرنے میں مصروف ہے۔ کمپنی نے حال ہی میں مالیاتی قرضہ کے بازار سے تقریباً ایک بلین ڈالرز لینے کی کوشش کی لیکن اسے صرف ۵۹۶ملین ڈالرز کا قرضہ مل سکا۔امریکہ میں اس کی روایتی جڑی بوٹی ختم کرنے والی کیمیائی دوا، جوراؤنڈ اپ کے نام سے جانی جاتی ہے، پر حق ملکیت کے قوانین کا اطلاق ختم ہونے کے بعد اس کی فروخت میں کمی ہوئی ہے۔ یہ کیمیائی جڑی بوٹی تلف کرنے والی دوا مونسانٹو کی آمدنی میں ۴۵ فیصد کا حصہ دار ہے۔کمپنی اس وقت مزید کمزور ہوئی جب ایک امریکی دواساز کمپنی فارمسیا اس سے علیحدہ ہوگئی۔ یہ کمپنی دو سال قبل فارمسیا نے خریدی تھی۔مونسانٹو نے اس بات کی تردید کی ہے کہ اسے نقدی کے خاتمے کا سامنا ہے۔

ڈان،۲۲،اگست ۲۰۰۲

عالمی بینک اور آئی ایم ایف افریقہ میں بھوک کے ذمہ دار ہیں

ایک بین الاقوامی ادارے آکسفم نے الزام عائد کیا ہے کہ عالمی بینک اور آئی ایم ایف کے ناکام زرعی اصلاحات کے باعث جنوبی افریقہ کے ۱۳ملین افراد خوراک کی کمی اور تحفظ خوراک کے مسائل کا شکار ہیں۔

آکسفم کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ''خوراک کی کمی کا ایک بڑا سبب عالمی بینک اور آئی ایم ایف کی گزشتہ ۱۵ سال سے زائد کی وضع کردہ زرعی اصلاحات ہیں جس کا مقصد زرعی ترقی اور تحفظ خوراک ہیں''۔ادارے کے ترجمان نے کہا کہ زراعت کی آزادی، ریاستی اعانت اور قیمتوں کے استحکام سے ریاست کے ہاتھ کھینچنے کے بعد غریب ترین کسانوں کے بہتر ہونے کی امیدیں خاک میں مل گئی ہیں۔

دی نیوز،۲۸،اگست ۲۰۰۲